غم و آلام کے ہجوم اور امید و یاس کے نشیب و فراز سے آدمی اکتا نہ جائے تو یہ زندگی کی کامیابی کی علامت ہے۔ باقر مہدی اس صبر آزما زندگی سے ہم کنار ہوئے ہیں، اس لیے ان کے کلام میں بھی اس کے اثرات اور کیفیات کی جھلک موجود ہے، اگر انھوں نے کچھ دن غم حیات کو اسی طرح گلے لگائے رکھا تو وہ ایک ممتاز شاعر بنجائیں گے، انھوں نے اپنے بہت سے اشعار میں کنایۃً و صراحۃً اس غم حیات کا ذکر کیا ہے:

نہ کوئی راہ گذر ہے نہ کوئی ویرانہ غم حیات میں سب کچھ لٹا کے بیٹھے ہیں

جنوں کی حد ہے کہ ہوش و خرد کی منزل ہے خبر نہیں کہ کہاں آج آکے بیٹھے ہیں

جدید اردو شاعری کے ذخیرہ میں شہر آرزو ایک قیمتی اضافہ ہے۔ "م - ج"

مجموعۂ اشعار - از مولانا مظفر شمس بلخی بتصحیح و تحشیہ پروفیسر سید حسن ایم اے صفحات ۹۶، کتابت و طباعت بہتر، ناشر ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی، پٹنہ،

مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری کے بڑے ممتاز خلیفہ تھے، اسلیے انکا شمار فردوسیہ سلسلہ کے اہم بزرگوں میں ہوتا ہے، انکا سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم ادہم سے ملتا ہے جنھوں نے بلخ کے شاہی تخت کو چھوڑکر درویشی اختیار کی، مولانا مظفر کے والد بزرگوار سلطان شمس بلخی بھی بلخ کے حکمراں تھے لیکن اپنے جد امجد کی سنت کے مطابق تاج و تخت کو ٹھکراکر راہ سلوک اختیار کی، اور اپنے پورے خاندان کو لیکر ہندوستان آگئے، پہلی بار دلی میں سکونت پذیر ہوئے، پھر بہار آکر حضرت شیخ احمد چرم پوش منیری سے بیعت ہوئے، اور انہی سے وابستہ ہوکر زندگی گذاری حضرت مولانا مظفر انکے بڑے صاحبزادے تھے، انکی وفات ۷۸۸ھ میں ہوئی، حضرت شرف الدین یحیٰی منیری کو ان سے بڑی محبت رہی، ان کو جان شرف الدین کہا کرتے تھے، عارف باللہ ہونے کے علاوہ وہ فارسی کے شاعر بھی تھے، مجموعۂ اشعار انکے عارفانہ کلام کا مجموعہ ہے، ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ نے اسکو شائع کرکے ایک مفید علمی خدمت انجام دی ہے، شروع میں انگریزی میں فاضل مرتب پروفیسر سید حسن کا ایک مختصر لیکن پرمغز مقدمہ ہے جسمیں مولانا مظفر بلخی اور انکی شاعری کا پورا تعارف ہے، فاضل مرتب اب ادارہ کے نگراں بھی ہیں، وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے بہار میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اسلیے امید ہے کہ آئندہ انکی نگرانی میں اس علمی ادارہ سے عربی و فارسی کی قابل قدر کتابیں برابر نکلتی رہیں گی، "ض - ع"

جلد ۹۱ - ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۶۳ء - عدد ۲

مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

ادبیات

شذرات

آج سے دو سال پیشتر جب جامعہ ملیہ کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کا بل پارلیمنٹ میں پیش ہونے والا تھا، ہم نے اسکے بارہ میں اپنے خیالات ظاہر کیے تھے، اور لکھا تھا کہ "جامعہ کے خدمات کا سب سے بڑا صلہ اور اس کی سب سے زیادہ قدر دانی یہ ہے کہ اس کو اردو یونیورسٹی بنا دیا جائے، اس سے کسی نہ کسی حد تک اسکی خصوصیات قائم رہیں گی، اردو والوں کی اشک شوئی بھی ہو جائیگی، جامعہ عثمانیہ کا خونبہا بھی ادا ہو جائیگا اور حکومت کی رواداری اور اس کی سیکولرزم کا بھی یہ ایک بڑا نشان ہوگا،" (معارف فروری ۱۹۶۱ء)

جس وقت یہ تجویز پیش کی گئی تھی، اس وقت اس کے عمل میں آنے کا مشکل سے تصور کیا جا سکتا تھا، مگر اب ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ یہ تجویز عملی شکل اختیار کر سکتی ہے، جامعہ کو یونیورسٹی بنانے کا مسئلہ طے ہو چکا ہے، اور جلد ہی اس پر عمل شروع ہو جائیگا، مرکزی وزارت تعلیم علاقائی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی حامی ہے، اور یہ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اگر جامعہ میں اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے تو حکومت اسکی بھی حمایت کرے گی، ہندوستان کی سرکاری درسگاہوں سے اردو قریب قریب ختم ہو چکی ہے، اور جہاں اس کا وجود باقی ہے، کچھ شعبۂ تعلیم کی بے مہری اور کچھ خود اردو والوں کی غفلت سے برائے نام ہی ہے، اور بظاہر ان تعلیم گاہوں میں اردو کا کوئی مستقبل نہیں ہے، ایسی حالت میں ہندوستان میں اردو کی یونیورسٹی کے قیام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مگر حسن اتفاق سے ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو اردو یونیورسٹی کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔

مرحوم جامعہ عثمانیہ اس راہ کی دشواریاں دور کر کے اس کا عملی نمونہ قائم کر چکی ہے، اس کا متروکہ علمی و تعلیمی ذخیرہ بہت کچھ جامعہ کے کام آسکتا ہے اور ضرورت کے مطابق اس میں نیا اضافہ بھی ہو سکتا ہے اور اب جامعہ کے پاس ایسے مالی ذرائع بھی ہو گئے ہیں کہ وہ اس کام کو آسانی سے انجام دے سکتی ہے، اس کے پاس ماہرین تعلیم کی کمی نہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کو اگرچہ اب جامعہ سے کوئی ضابطہ کا تعلق نہیں رہ گیا ہے لیکن اس سے ان کی روحانی اور اخلاقی وابستگی ناقابل انقطاع ہے، شیخ الجامعہ مجیب صاحب اور ڈاکٹر عابد حسین صاحب بھی تعلیم و ترجمہ کے ماہر ہیں، ان کے علاوہ بھی جامعہ میں ماہرین تعلیم کی ایک جماعت موجود ہے، اس لیے خود اہل جامعہ اردو یونیورسٹی کا خاکہ بنا کر اس کو چلانے کے لیے کافی ہیں، اور اگر ضرورت ہو تو جامعہ عثمانیہ، اس کے دار الترجمہ کے باقیات صالحات اور مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے، آدمیوں کی کمی نہیں ہے، صرف ہمت و عزیمت کی ضرورت ہے۔

حیدرآباد کے اردو دوستوں نے بے سروسامانی کے باوجود ایک اردو کالج قائم کر لیا جس کو جامعہ عثمانیہ نے بھی تسلیم کر لیا ہے، ایسی حالت میں جامعہ کو جسے حکومت کی امداد و سرپرستی کی وجہ سے ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہیں اور اردو کے ذریعۂ تعلیم بنانے پر حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہے، اردو یونیورسٹی بنا دینا دشوار نہیں ہے، اگر یہ کام انجام پا جائے تو یہ جامعہ کے کارکنوں کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا، اور ان کا نام اردو کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا، اور جس طرح آج جامعہ آزاد قومی تعلیم کی ایک اہم یادگار ہے، اسی طرح وہ اردو کی اعلیٰ تعلیم کی ایک زندہ یادگار بن جائے گی، اگر یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر اردو یونیورسٹی کا قیام محال ہوگا، اس لیے ہم کو توقع ہے کہ ارباب جامعہ ہمارے ان معروضات پر سنجیدگی سے غور کرینگے اور یقین ہے کہ یہ مسئلہ خود ان کے سامنے بھی ہوگا،

حافظ ابوبکر عبداللہ بن زبیر مکی المتوفی ۲۱۹ھ اپنے دور کے نامور حافظ حدیث، امام شافعی کے اصحاب خاص اور امام بخاری کے شیوخ میں تھے، انھوں نے ایک مسند مرتب کی تھی جو مسند حمیدی کے نام سے مشہور ہے، یہ مسند قدیم ترین کتب مسانید میں ہے، مگر اس قدامت اور اہمیت کے باوجود ابتک اسکی طباعت کی نوبت نہیں آئی تھی، اس کے قلمی نسخے بھی کمیاب تھے، اب فاضل محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اسکے کئی قدیم نسخے اور بعض اہم نسخوں کے فوٹو فراہم کرکے انکی مدد سے، مقابلہ، تصحیح، تحشیہ وغیرہ ترتیب و تہذیب کے جملہ لوازم کیساتھ اس کو مرتب کیا اور مجلس علمی ڈابھیل نے خوبصورت ٹائپ میں اس کا پہلا حصہ شائع کیا ہے، کتاب کے شروع میں فاضل مرتب کے قلم سے مسند حمیدی کے مختلف نسخوں کا ذکر، مصنف کے حالات اور کتاب کی ترتیب و تصحیح وغیرہ کی تفصیل ہے، حواشی میں مسند کی حدیثوں کی تخریج، اسکے مشکل الفاظ کی تشریح اور اختلاف نسخ کی وضاحت کی گئی ہے، مسانید کی مروجہ فہرست اسماء کے علاوہ فقہی ابواب پر بھی احادیث کی ایک فہرست بنادی گئی ہے، اسماء و اعلام کا بھی انڈکس ہے، غرض یہ کتاب "ایڈٹ" کے جملہ لوازم و شرائط کے اعتبار سے مکمل اور "اپ ٹو ڈیٹ" ہے۔ یہ اس کتاب کا اجمالی تعارف ہے، فاضل مرتب کی تلاش و تحقیق اور محنت و دیدہ ریزی کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، وہ اس اہم علمی و دینی خدمت کے لیے اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں، ملنے کا پتہ: مجلس علمی سملک ڈابھیل، سورت۔

دوسری قابل ذکر کتاب حافظ ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف آزدی، المعروف بابن الفرضی، المتوفی ۴۰۳ھ کی "تاریخ العلماء والرواۃ بالاندلس" ہے، یہ اندلس کی علمی تاریخ پر بڑی اہم کتاب ہے، اس میں اندلس کے علماء و محدثین، شعراء و ادباء، اور مختلف طبقوں کے اہل علم اور ارباب وجاہت کا تذکرہ ہے، اور اس ضمن میں اندلس کے متعلق بہت مفید اور دلچسپ اور مختلف النوع معلومات آگئے ہیں، اس لحاظ سے اندلس کی تاریخ کا بڑا اہم ماخذ ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں میڈرڈ (اندلس) میں چھپی تھی، مگر اب کمیاب بلکہ نایاب تھی، اس لیے سید عزت العطار الحسینی مدیر مکتبہ نشر الثقافۃ الاسلامیۃ قاہرہ نے دوبارہ شائع کیا ہے، کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے،

مقالات

کیا حساب تقویم کی رو سے سنہ ہجری کے دن اور تاریخ کا تعین ہوسکتا ہے؟

از جناب مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی

فرنگیوں کے دور اقتدار سے پہلے ہمارے یہاں سنہ ہجری نبوی کا عام رواج تھا، اور روزمرہ کی زندگی میں تمام چھوٹے بڑے واقعات کے سلسلہ میں ہم اسی سنہ کے ماہ و تاریخ کو استعمال کیا کرتے تھے، چنانچہ اسی دستور کے مطابق تمام مسلمان مورخین واقعہ نگاری کے سلسلہ میں ہر دن کی وہی تاریخ قلمبند کرتے تھے جو اس روز ان کے یہاں رویت ہلال کے شرعی ثبوت کی بناء پر ہوتی تھی، لیکن فرنگیوں کے عہد اقتدار میں ہمارے ملک میں سنہ عیسوی میلادی کا اتنا رواج ہوا کہ اس نے ہماری روزمرہ کی زندگی میں وہی جگہ لے لی جو اس سے پہلے ہمارے یہاں سنہ ہجری نبوی کی تھی، اور اسی انقلاب کا اب یہ اثر ہے کہ ہمارے مصنفین جب گذشتہ واقعات کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو پہلے دن اور تاریخ کا تعین سنہ مسیحی میلادی سے کرتے ہیں، پھر اگر ضرورت ہوتی ہے تو کسی تقویم کی مدد سے جو اسی کلیۂ حساب پر مبنی ہوتی ہے، جو سنہ مسیحی میلادی کے اعتبار سے دن اور تاریخ کے استخراج کے لیے وضع کیا گیا ہے،

سنہ ہجری نبوی کے دن اور تاریخ کو مطابق کر دیتے ہیں، اس طرز عمل سے بعض لوگوں کو یہاں تک
ہو گئی ہے کہ مسلمان مورخین نے واقعات کے سلسلہ میں جس دن اور تاریخ کا ذکر کیا ہے اگر وہ
کلیۂ حساب کے مطابق نہ ہوں تو قطعاً غلط ہیں، اسی غلط فہمی میں انھوں نے بہت سے مسلّم
کا نہایت شد و مد سے انکار کیا ہے، جو سرا سر ان کی نادانی اور علم تقویم سے ناواقفیت کا نتیجہ
ہر مسلمان جانتا ہے کہ "تاریخ ہجری" میں مہینوں کا شمار "رویت ہلال" سے ہوتا ہے، نہ کہ
حساب و شمار سے، اس لیے تمام مسلمان مورخین واقعات کی تفصیلات بتاتے وقت اسی دن
کا ذکر کرتے ہیں جو رویت ہلال کے حساب سے اس وقت ان کے یہاں ہوتی ہے، اور اہل علم
ہیں کہ اختلافِ مطالع کے اعتبار سے چاند دیکھنے میں مختلف ملکوں کے اندر ایک دو دن کا فرق
معمولی بات ہے، اس لیے ایک دو دن کے معمولی فرق کی بنا پر مورخین کی تکذیب کرنا دانشمندی نہ

رویت ہلال سے تعیین اوقات "رویت ہلال" سے تعیین اوقات کی تعلیم خود قرآن عظیم میں موجود ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۚ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

آپ سے لوگ نئے چاندوں کے بارے میں دریافت
کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے لیے
اور حج کے لیے مقررہ اوقات ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی معاملات یا شرعی حسابات سب میں دنوں، مہینوں اور
تاریخوں کا حساب رویت ہلال سے ہوگا، ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی تفسیر بحر
آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

معنی آنست، بگو ماہہائے نو از بدائع
مخلوقات است، مر مردماں را علامات
اوقات است کہ بداں تقدیر منافع

معنی یہ ہیں کہ آپ فرمائیے، ماہہائے نو نرال
مخلوقات میں سے ہیں، یہ لوگوں کے لیے
اوقات کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ ان

حلول دینہا و مدت عمرہا و عدت زنان و
مدت حمل و اوضاع ایشاں و ماہ رمضان
کہ ماہ صیام است و ماہ عید کہ از شعائر
اسلام است و حولان حول کہ شرط وجوب
زکوٰۃ است و مانند آں بدانند، و اقامت
وظائف دنیا و دین و معرفت شہور و سنین
بجا آوردن و محافظت کردن توانند

قرضوں کی میعاد کے مناسب اندازے، عمروں
کی مدت، عورتوں کی عدت، ان کے خاص
حالات، حمل کی مدت، ماہ رمضان جو روزوں
کا مہینہ ہے، ماہ عید جو شعائر اسلام میں سے ہے،
سال کا اتمام جو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے
مشروط ہے، اور اسی طرح دوسری چیزیں معلوم
کرتے ہیں اور دین و دنیا کے کاروبار، مہینوں
اور سالوں کا پہچاننا اور انکی نگہداشت کرنا
انہی کی بدولت ان کے لیے ممکن ہوتا ہے۔

و علامت وقت حج و زیارت بیت حرام
کہ از معظمات ارکان اسلام است
دو ماہ شوال و ذی القعدہ و دہ روز
ذی الحجہ از غرۂ شوال یعنی از عید فطر
تا عید ضحیٰ، و در وے اعمال حج از سنن
و واجبات و فرائض مودی شود[1]

نیز یہ حج و زیارت بیت اللہ کے وقت
کی علامت ہیں، جو اسلام کے بڑے ارکان
میں سے ہے، یعنی شوال اور ذیقعدہ کے
دو مہینے اور ذی الحجہ کے دس دن جو غرۂ شوال
یعنی عید فطر سے لیکر عید قرباں تک کا زمانہ ہے،
اسی زمانہ میں حج کے اعمال اور اس کے سنن و
واجبات و فرائض ادا کیے جاتے ہیں۔

---

[1] تفسیر بحر مواج، ج ۱ ص ۲۰۹ طبع نولکشور ۱۲۹۷ھ، اس کتاب کے قلمی نسخے ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں
ایک عمدہ تفسیر ہے، اور ہندوستان کے علمی کارناموں میں ایک شاندار کارنامہ ہے، کاش کوئی علمی ادارہ اس اہم تفسیر کو شائع
کرنے پر آمادہ ہو جاتا، مطبع نولکشور میں اسکی صرف پہلی جلد چھپی ہے اور وہ بھی اغلاط سے مملو ہے، پوری کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے۔

اگرچہ مواقیت کے عموم مین حج بھی آجاتا ہے لیکن خاص طور پر اس کا دوبارہ اس لیئے ذکر کیا گیا زمانہ جاہلیت مین عربون نے حساب شمسی کے مطابق حج کرنا شروع کر دیا تھا، اور حساب شمسی سے مطابقت سے نسئی (لوند) سے کام لیکر قمری مہینون مین ادل بدل کر دیا کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ حج کے بارہ مین بھی انھین رویت ہلال سے حساب لگانے کا پابند بنا دیا، علماء نے تصریح کی ہے کہ ہلال کا اہتمام وانضباط فرض کفایہ ہے، تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانون نے اپنے تمام کاروبار مین ماہ و سال دن اور تاریخ کی تعیین کے لیے ہمیشہ "رویت ہلال" کا اعتبار کیا ہے، موجودہ زمانے مین ہمارے ملک مین سنہ عیسوی شمسی رائج ہے، یہ انگریزون کے دور کی بری یادگار ہے، اور عام مسلمانون کا بلا ضرورت ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی کو اختیار کر لینا بڑے افسوس کی بات ہے،

امت مسلمہ کے تمام فرقون کا (باستثناء شیعہ اسماعیلیہ) اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام احکام شرعیہ کا دارومدار "رویت ہلال" پر ہے، نہ کہ حرکت قمری کے حساب وشمار پر، علامہ مؤرخ مقریزی اپنی مشہور کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار مین لکھتے ہین:-

وقد عرفت ان شهور تاريخ الهجرة قمرية وايام كل سنة منه عدتها ثلاث مائة واربعة وخمسون يوما وخمس وسدس يوم وجميع الاحكام الشرعية مبنية على رؤية الهلال عند جميع فرق الاسلام ما عدا الشيعة فان الاحكام مبنية عندهم

اور تم جان چکے ہو کہ تاریخ ہجرت کے مہینے قمری ہیں، اور اس کے ہر سال کے ایام کی تعداد تین سو چون دن اور ایک خمس (۱/۵) اور ایک سدس (۱/۶) دن ہے، اور سارے اسلامی فرقون کے نزدیک تمام احکام شرعیہ چاند دیکھنے ہی پر موقوف ہیں سوائے شیعہ (باطنیہ) کے کہ ان کے یہان احکام شرعیہ کا دارومدار سال کے ان

على عمل شهور السنة بالحساب على ما استراه فى ذكر القاهرة وخلفائها-

ثم لما احتاج منجموا الاسلام الى استخراج مالابد منه من معرفة الاهلة وسمت القبلة وغير ذالك بنوا ازياجهم على التاريخ العربي، وجعلوا شهور السنة العربية شهرا كاملا و شهرا ناقصا وابتدؤا بالمحرم اقتداء بالصحابة فجعلوا المحرم ثلاثين يوما وصفر تسعة وعشرين يوما وربيع الاول ثلاثين يوما وربيع الآخر تسعة وعشرين يوما وجمادى الاولى ثلاثين يوما وجمادى الآخرة تسعة وعشرين يوما ورجب ثلاثين يوما، وشعبان تسعة وعشرين يوما، ورمضان ثلاثين يوما، وشوال تسعة و

مہینون پر ہے جو حساب سے بنتے ہین جیسا کہ قاہرہ اور وہان کے خلفاء کے تذکرہ مین تمکو معلوم ہوگا،

پھر جب منجمین اسلام کو ضروری چیزون کے دریافت کرنے کی حاجت پیش آئی، جیسے ہلالون کا معلوم کرنا یا سمت قبلہ وغیرہ کا پتہ چلانا تو انھون نے اپنی زیچون (تقویمون) کی بنا تاریخ عربی پر رکھی اور عربی سال کے مہینے اس طرح قرار دیے، کہ ایک مہینہ کامل (یعنی تیس دن) اور ایک مہینہ ناقص (یعنی انتیس دن کا) اور سال کی ابتداء صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدا مین محرم کو رکھی، چنانچہ محرم کو تیس دن کا قرار دیا اور صفر کو انتیس دن کا، اور ربیع الاول کو تیس دن کا اور ربیع الآخر کو انتیس دن کا، اور جمادی الاولیٰ کو تیس دن کا اور جمادی الآخر کو انتیس دن کا، اور رجب کو تیس دن کا اور شعبان کو انتیس دن کا، اور رمضان کو تیس دن کا اور شوال کو انتیس دن کا، اور ذیقعدہ کو تیس دن کا

عشرين يوماً، وذا القعدة ثلاثين يوماً، وذا الحجة تسعة وعشرين يوماً، ويزادوا من اجل كسر اليوم الذي هو خمس وسدس يوماً في ذي الحجة اذا صار هذا الكسر اكثر من نصف يوم فيكون شهر ذي الحجة في تلك السنة ثلاثين يوماً، ويسمون تلك السنة كبيسة ويصير عددها ثلاثمائة و خمسين، ويجتمع في كل ثلاثين سنة من الكبيس احد عشر يوماً، والله تعالى اعلم[1]

اور ذی الحجہ کو انتیس دن کا، اور ایک دن کی اس کسر کی بنا پر جو ایک خمس (1/5) اور ایک سدس (1/6) کی وجہ سے ہوتی ہے، ذی الحجہ میں ایک دن کا اضافہ اس طریقہ سے کر دیا کہ جب یہ کسر نصف دن سے زیادہ ہو جائے تو اس سال کا ماہ ذی الحجہ تیس دن کا ہوگا اور اس سال کو سال "کبیسہ" کہتے ہیں، اور یہ سال تین سو پچپن دن کا ہوتا ہے، اور ہر تیس سال میں کبیسہ کے جملہ دن گیارہ ہوتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

منجموں کے اصول پر تقویم سازی کا طریقہ

اس تفصیل سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ منجمین نے جس اصول پر اپنی تقویم کو مرتب کیا ہے وہ اور ہے اور مسلمانوں میں جس اصول پر مہینوں کا شمار ہے وہ اور ہے، اسلامی شریعت کے اعتبار سے سال کا ہر مہینہ ایک رویت ہلال سے شروع ہو کر دوسری رویت ہلال پر ختم ہو جاتا ہے، لیکن منجموں کے یہاں قمر کے بارہ دوروں کی مجموعی مدت کو جو تین سو چون (۳۵۴) دن اور ایک خمس اور ایک سدس دن پر مشتمل ہے بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے بارہ مہینے بناتے ہیں، اور چونکہ اس مدت کی تقسیم بارہ مساوی حصوں پر بغیر کسر کے نہیں ہو سکتی اس لیے اس کسر کو دور کرنے کے لیے

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور عنوان "تاریخ العرب" ص ۳۰۵ و ۳۰۶

انھیں پورے تیس سال کا حساب لگانا پڑتا ہے، اور پھر تیس سال کے مجموعۂ ایام کو حسب قاعدہ سابقہ اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ پہلا مہینہ ہمیشہ تیس دن کا شمار کرتے ہیں اور دوسرا ہمیشہ انتیس دن کا، البتہ سال کبیسہ میں ذی الحجہ کو بھی تیس ہی دن کا مانتے ہیں اسکی تفصیل ابوریحان بیرونی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے، وہ لکھتے ہیں:-

واما تاريخ الهجرة في الاسلام فانا اذا اردناه قسمنا ايامه المحصلة على سنة القمر الوسطى وهي ثلاثمائة واربعة وخمسون يوماً وخمس وسدس بان نضربها في ثلاثين، وهو اقل عدد له خمس وسدس ونقسم المجتمع على عشرة آلاف وستمائة وأحد وثلاثين وهو مضروب ثلاثمائة واربعة وخمسين في ثلاثين مضافا الى ما اجتمع احد عشر التي هي مجموع خمسها وسدسها فما خرج فسنون تامة قمرية وما بقي فايام

اور اسلامی تاریخ ہجرت جب ہمیں مطلوب ہو تو اس تاریخ کے ایام محصلہ[1] کو قمر کے سنہ وسطی پر جو تین سو چون (۳۵۴) دن اور ایک خمس اور ایک سدس دن کا ہوتا ہے، ہم تقسیم کر دیں گے، اس طریقہ پر کہ پہلے انکو تیس میں ضرب دیں گے، کیونکہ تیس ہی وہ سب سے چھوٹا عدد ہے جس میں خمس بھی ہے اور سدس بھی، اور پھر دس ہزار چھ سو اکتیس کے مجموعہ کو (جو تین سو چون کو تیس میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے، مع ان گیارہ دنوں کے جو تیس خمس اور تیس سدس کا مجموعہ ہیں) تقسیم کر دیں گے۔ اب جو خارج قسمت ہوگا وہ مکمل قمری سال ہوں گے، اور جو باقی بچے گا وہ وہ دن ہوں گے جو تیس میں ضرب دینے سے

[1] ایام محصلہ سے مراد آغاز تاریخ سے لیکر یوم مطلوب تک دنوں کی مجموعی تعداد ہے۔

مضروبة فی ثلاثین فاذا قسمناها علی ثلاثین عاد القسم ایامًا فناخذ منها الشهر ثلاثین یومًا والشهر تسعة وعشرین ویبتدأ من المحرم، وما بقی لا یتم شهرا فهو ما مضی من ذالك الشهر وعلی هذا العمل فی استخراج التواریخ فی الزیجات فان سلك فیه طرق مختلفة فهی راجعة الی معنی واحد

فاما علی رؤیة الهلال فیمکن ان یتوالی فیه شهران ناقصان وثلاثة اشهر تامة ویمکن ان تزید سنة القمر علی المقدار المذکور وتنقص منه بسبب اختلاف الحرکة (الآثار الباقیة عن القرون الخالیة ص ۱۴۲)

حاصل ہوتے تھے، پھر جب ہم نے ان کو تیس پر تقسیم کر دیا تو تقسیم سے دن بن گئے اب ایک ماہ کے لیے تیس دن لیں گے اور دوسرے ماہ کے لیے انتیس، اور محرم سے شروع کریں گے اور جو باقی پورا مہینہ نہیں بنتا تو وہ اس مہینہ کا گذرا ہوا حصہ ہے، زیچوں (تقویموں) میں تاریخوں کے نکالنے کے لیے اسی قاعدہ پر عمل کیا جاتا ہے اور گو اس سلسلہ میں مختلف طریقے استعمال میں لائے جائیں لیکن ان سب کا مرجع یہی ایک اصول ہے

لیکن رؤیت ہلال پر یہ ممکن ہے کہ دو مہینے مسلسل انتیس انتیس دن کے ہوں اور تین مہینے مسلسل تیس تیس دن کے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری مقدار مذکور سے زائد یا کم ہو جائے،

ابوریحان بیرونی علم ہیئت و ریاضی کا مسلّمہ امام ہے، اس کی اس تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تقویم کا یہ حساب نہ تو رویت ہلال کے حساب کے موافق ہے اور نہ قمر کی حقیقی حرکت کے مطابق،

بلکہ اس حساب میں تیس سال کے مجموعۂ ایام کو بغیر اس کے کہ ان میں رویت ہلال کا یا قمر کی حقیقی حرکت کا لحاظ رکھا جائے محض اپنی سہولت کے خاطر فرضی طور پر اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ ہر طاق مہینہ ہمیشہ تیس کا مانا جائے گا، اور ہر جفت مہینہ ہمیشہ انتیس کا، بجز ذی الحجہ کے کہ وہ سال کبیسہ میں باوجود جفت ہونے کے تیس ہی کا شمار ہوگا، اس طرح ہر تیس سال میں انیس سال بسیط تین سو چوّن (۳۵۴) دن کے ہوں گے، اور گیارہ سال کبیسہ تین سو پچپن (۳۵۵) دن کے،

شریعت میں منجمین کے حساب کا کیوں اعتبار نہیں،

ابوریحان بیرونی کی اس تفصیل سے شریعت مطہرہ کی یہ حکمت بھی معلوم ہوئی کہ اس نے سال کے بارے میں منجمین و اہل تقویم کے حساب کا کیوں اعتبار نہیں کیا، اور اس کی بجائے رویت ہلال کو مدار تاریخ ٹھہرایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں اعلان فرمایا کہ

جعل الله الاهلة مواقیت للناس فصوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غمّ علیکم فعدوا ثلاثین یومًا[1]

اللہ تعالیٰ نے ہلالوں کو لوگوں کے لیے اوقات کی تعیین کا ذریعہ بنایا ہے، لہٰذا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور جب مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن شمار کرو،

[1] یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں اس اسناد کے ساتھ منقول ہے: عن عبدالعزیز ابن ابی رواد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۵) اور محدث حاکم نیشاپوری اپنی مشہور کتاب المستدرک علی الصحیحین میں اس کو نقل کرکے لکھتے ہیں "صحیح الاسناد" یہ بھی واضح رہے کہ حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کی تصحیح کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا ہے ملاحظہ ہو المستدرک اور اس کی تلخیص ج ۱ ص ۴۲۳ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، اس لیے وہ حقایق سے قطع نظر کر کے منجموں کے فرضی حساب کا کیوں پابند ہوتا، دین اسلام میں اوقاتِ عبادات کی بنا ان حقایق ثابتہ پر رکھی گئی ہے جن کے معلوم کرنے میں سب کے لیے سہولت ہو، اسلام کا قانون عدل و مساوات اس بات کا روادار نہیں کہ عبادات کی بجا آوری تو سب پر یکساں فرض ہو مگر ان کے اوقات کا معلوم کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ ہو بلکہ خاص منجمین اور موقتین کا حصہ ہو، اسی حکمت کی بنا پر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اوقاتِ نماز کا تعین آفتاب کی گردش سے متعلق کیا ہے، اور سال و ماہ و روزہ کی تعیین رویت ہلال سے کی ہے، ورنہ اگر ہماری شریعت میں بھی دوسرے مذاہب کی طرح شمسی حساب کا اعتبار ہوتا یا قمری سال کی بناء رویت ہلال کی بجائے تقویم پر رکھدی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ساری امت اپنے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں منجمین و موقتین کی محتاج ہو کر رہ جاتی، جو حساب ان کو اوقات عبادات بتایا کرتے، اور عید بقرعید، روزہ اور حج وغیرہ کے ایام کا پہلے سے تعین کر دیا کرتے، اس طرح مذہبی ارکان کی ادائگی کی اجارہ داری ایک خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو جاتی، اور اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت کا ایک سلسلہ چل پڑتا، جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے اور جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے،

تقویم کا حساب فرضی ہے

ہم نے تقویم کے حساب کو جو فرضی کہا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ تمام اجرام سماوی میں چونکہ آفتاب و ماہتاب سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اس لیے دنیا کی تمام قوموں نے ماہ و سال کا شمار ان ہی دونوں کی گردش پر اس طریقے سے رکھا کہ شمس کی نسبت سے قمر کے ایک دور وضعی کو قمری ماہ بنا لیا، یعنی شمس کے ساتھ جو قمر کی ایک وضع معین اور صورت خاص ہو مثلاً اجتماع یا ہلال یا استقبال اس کو ماہ قمری کا مبدا مانا اور دوبارہ اسی وضع معین اور صورت خاص پر قمر کے آجانے کو اس کا منتہا اور ان دونوں اجتماعوں یا دونوں ہلالوں یا دونوں استقبالوں کے درمیانی زمانہ کو ماہ قمری سے موسوم کیا، جس طرح ہماری شریعت میں ایک ہلال سے ماہ کا آغاز قرار دیا گیا اور دوسرے

ہلال پر اس کا اختتام اور ان دونوں ہلالوں کی درمیانی مدت کو خواہ وہ تیس دن میں تمام ہو یا انتیس دن میں ایک ماہ شمار کیا ہے، پھر اسی طرح بارہ قمری مہینوں کو ایک سال گننے لگے، اور شمس کی ایک گردش یعنی منطقۃ البروج کے ایک نقطۂ معینہ مثلاً اول برج حمل سے جدا ہو کر دوبارہ اسی نقطہ پر آفتاب کے آجانے کو سال شمسی قرار دیا، اور چونکہ آفتاب کی گردش بارہ[۱۲] برجوں پر منقسم ہے، اس لیے ہر برج کے طے کرنے میں آفتاب کو جو عرصہ لگتا ہے اس کو ماہ شمسی بنایا، پھر منجموں نے تقویم بنانے کے لیے اپنی سہولت کی خاطر ہر ماہ و سال کی خواہ وہ قمری ہوں یا شمسی دو قسمیں قرار دیں، ایک حقیقی دوسری اصطلاحی، جس کو وسطی بھی کہا جاتا ہے، حقیقی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش کا پوری طرح لحاظ ہو، اور ان کی وضع خاص اور برج کی تقسیم اور حرکت کے اعتبار سے مدت کی تعیین ہو، مثلاً ماہ حقیقی قمری وہ ہے جس میں دونوں ہلالوں کے درمیانی زمانہ میں ایک ساعت یا ایک دقیقہ کی بھی کمی بیشی نہ ہو، جس طرح ہماری شریعت میں ماہ کا شمار ہوتا ہے، اور سال حقیقی قمری وہ ہے جو بارہ ماہ ہائے[۲] حقیقی قمری سے ذرا کم و بیش نہ ہو، جیسا کہ ہماری شریعت میں ہے، اسی طرح ماہ حقیقی شمسی وہ ہے جس کا زمانہ آفتاب کے ایک برج معین میں رہنے کے بالکل برابر ہو، اور سال شمسی حقیقی وہ مدت ہے جو آفتاب کے ایک مکمل دورہ کے عین مطابق ہو، اور ماہ اصطلاحی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش حقیقی کا لحاظ نہ ہو بلکہ ہر مہینہ کے لیے ایام معینہ کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے، مثلاً کسی مہینہ کو انتیس کا اور کسی کو تیس کا اور کسی کو اکتیس کا مقرر کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ مہینہ کی یہ مقدار کبھی ماہ حقیقی سے زیادہ ہوگی اور کبھی کم، اور جو سال ان بارہ اصطلاحی مہینوں سے مرکب ہو وہ سال اصطلاحی کہلاتا ہے[لہ]

اس تفصیل کے بعد اب آپ ابوالفضل کا یہ بیان پڑھیے:-

واہل حساب، رویت را نظر انداختہ ماہ قمری	اور اہل حساب نے رویت کو نظر انداز کر کے ماہ قمری
را دوگونہ ساختہ اند، حقیقی و آں از ہنگام	کی دو قسمیں کی ہیں، ایک حقیقی جو چاند کے آفتاب

لہ اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زیچ بہادر خانی مولفہ مولوی غلام حسین جونپوری ص ۲۶ طبع بنارس ۱۲۵۷ھ

دوری ماہ از وضع معین با آفتاب چون اجتماع یا استقبال یا جز آن تا باز بدان رسد، و اصطلاحی چون حرکات قمر مختلف باشد ضبط آن دشوار و بیچان مشکلہا پس بحرکت وسطی قرار دادند و لختے کار آسان شد[1]

سے ایک وضع معین جیسے (ایک برج مین دونون کے اجتماع یا بالکل مقابل برجون مین) دونون کے آمنے سامنے ہونے یا کسی اور وضع معین سے دور ہو کر پھر اسی وضع مین پر آجانے کا نام ہے، دوسرے اصطلاحی چونکہ چاند کی گردش مختلف ہوا کرتی ہے اور اسکا پوری طرح حساب کرنا اور اس کی شکلون کو محفوظ رکھنا دشوار ہے اس لیے حرکت وسطی سے اس کا حساب لگا کر کچھ کام آسان ہوگیا،

اس کے بعد ابوالفضل نے زیچ بنانے کا وہی قاعدہ بتایا ہے جو مقریزی اور بیرونی کے بیانات مین ابھی اپ کی نظر سے گذرا،

اب ظاہر ہے کہ اہل حساب نے جب اپنی تقویموں مین رویت کو نظر انداز کیا اور ماہ و سال حقیقی کو سرے سے چھوڑ دیا اور شمس و قمر کی گردش کا خیال نہ کیا تو ان کا حساب فرضی نہ ہوا تو کیا ہوا، ارباب تقویم کے اس حساب کی حقیقت بس اتنی ہے کہ تیس سال مین قمر کے تیس دورے پورے ہوجاتے ہیں، اور ان تیس سالون مین انیس سال تین سو چون (۳۵۴) دن کے ہوتے ہیں اور گیارہ سال تین سو پچپن (۳۵۵) دن کے، لیکن ان مین کونسا قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوگا اور کونسا ۳۵۵ دن، اسکی تعیین ان کے بس کی بات نہین، اور یہ جو زیچ نگارون نے ان گیارہ سالون کی اس طرح تعیین کی ہے کہ:-

[1] آئین اکبری ص ۲۰، طبع دہلی ۱۲۷۲ھ بتصحیح سر سید احمد خان؛

"دور ہر سی سال یازدہ بار ذی الحجہ را سی روز گیرند و این سالہا را سال کبیسہ نامند و آن سالہا ۲ و ۵ و ۷ و ۱۰ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۱ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۹ است[1]"

وہ محض فرضی ہے کوئی ضروری نہین کہ ان ہی سالوں کے ایام ۳۵۵ دن کے ہون جیسا کہ ذی الحجہ کا ان سالون مین تیس دن کا ہونا قطعاً ضروری نہین، بہت ممکن ہے کہ ان مین سے کوئی سال ۳۵۴ دن کا ہو اور بقیہ انیس مین سے کوئی ۳۵۵ کا جس طرح کہ تقویم مین جن مہینوں کو تیس دن کا بتایا ہے، ان کا تیس ہی دن کا ہونا یا جن کو انتیس دن کا بتایا ہے، ان کا انتیس ہی دن کا ہونا ضروری نہین ہے، اسی لیے امام فن بیرونی نے تقویم سازی کا اصول بتاتے ہوئے آخر مین تصریح کر دی ہے کہ

رویت ہلال کے اعتبار سے ممکن ہے دو ماہ مسلسل انتیس انتیس دن کے ہوں اور تین ماہ مسلسل تیس تیس دن کے اور بالکل ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری مقدار مذکور سے (جو تقویم مین قرار دی گئی ہے) زائد یا کم ہوجائے۔"

تقویم کا حساب حقیقی جب ہوتا جبکہ چاند کی حقیقی حرکت کا انضباط منجمین کے لیے آسان ہوتا، حالانکہ ابوالفضل کا یہ اعتراف ابھی آپ کی نظر سے گذرا کہ

"حرکات قمری مختلف باشد ضبط آن دشوار، و بیچان مشکلہا[2]"

ابوالفضل کے اعتراف عجز کی وجہ بیرونی سے سینئے جو اپنی مشہور کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ مین شیعہ اسماعیلیہ کے حساب تقویمی کا محاسبہ کرتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہے

ویبتدؤن بالشھور من عند رؤیۃ الھلال وکذلک الشرع

اور وہ مہینے کی ابتدا رویت ہلال سے کرتے ہیں اور اسی طرح اسلام مین مشروع ہے

[1] زیچ بہادر خانی ص ۵۰ [2] آئین اکبری ص ۲۲۰،

في الاسلام كما قال الله تعالى
يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ
هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

ثم منذ سنين نشأت نابتة
ونجمت ناجمة ونبغت فرقة
جاهلية فنظر والى اخذهم
بالتاويل وولوعهم بسبب
الآخذين بالظاهر بزعمهم
الى اليهود والنصارى فاذالهم
جداول وحسابات يستخرجون
بها شهورهم ويعرفون منها
صيامهم والمسلمون مضطرون
الى رؤية الهلال وتفقد ما
اكتساه القمر من النور واشترك
بين نصفه المرئي ونصفه
المستور ووجدوهم شاكين
في ذلك مختلفين فيه مقلدين
بعضهم بعضا بعد استفراغهم

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لوگ آپ سے
نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں
آپ فرما دیجئے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج
کے لیے اوقات مقررہ ہیں"

پھر چند سال سے ایک نئی پود اگ آئی ہے،
اور ایک نمایاں جماعت نمودار ہوئی ہے
اور ایک جاہلی فرقہ ابھرا جو اپنے خیال میں
ظاہر پر عمل کرنے والوں کے سبب سے تاویل کو
اختیار کرتے ہیں اور اس پر فریفتہ ہیں،
ان لوگوں نے یہود و نصاریٰ کو دیکھا کہ انکے
پاس تو گوشوارے اور حسابات موجود ہیں
جن کے ذریعے وہ اپنے مہینوں کو نکالتے
ہیں، اپنے روزوں کو معلوم کرتے ہیں اور مسلمان
رویت ہلال پر مجبور ہیں اور چاند میں روشنی
آجانے کی تلاش میں رہتے ہیں، کہ قمر کے نصف
مرئی اور نصف مستور میں کس قدر اشتراک
نور ہوا ہے، اور پھر باوجود اس کے کہ وہ
اپنی پوری کوشش چاند کے مقامات پر
غور کرنے کے اور اس کے مغارب و مواقع

الوسع في تأمل مواضعه
وتفحص مغاربه ومواقعه ثم
رجعوا الى اصحاب علم الهيئة
فالفوا زيجاتهم وكتبهم
مفتتحة بمعرفة اوائل ما يرا
من شهور العرب بصنوف
الحسابات وانواع الجداول
فظنوا انها معمولة لرؤية
الاهلة واخذوا بعضها
ونسبوه الى جعفر الصادق
عليه السلام وزعموا انه
سر من اسرار النبوة،
وتلك الحسابات مبنية
على حركات الوسطى دون المرئية
اعني المعدلة ومعمولة على
ان سنة القمر ثلاثمائة و
اربعة وخمسون يوما وسدس
(كذا) وان ستة اشهر
من السنة تامة وستة ناقصة

کے ڈھونڈنے میں صرف کر دیتے ہیں، پھر بھی
ان میں شک اور اختلاف رہتا ہے اور اس میں
وہ ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں، اس لیے
انھوں نے اصحاب علم ہیئت کی طرف رجوع
کیا جنھوں نے اپنی زیچوں اور کتابوں کو
طرح طرح کے حسابات اور مختلف گوشواروں
کے ساتھ اس طرح مرتب کیا تھا کہ ان کے
آغاز ہی میں عربی مہینوں کے اوائل کی
معرفت کا بیان ہے، اس لیے انھوں نے
یہ سمجھا کہ یہ زیچیں رویت ہلال کے لیے بنائی
گئی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان میں سے
بعض حسابات اور گوشواروں کو لیکر حضرت
جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا
اور یہ خیال قائم کیا کہ یہ بھی اسرار نبوت میں سے
ایک راز ہے، حالانکہ یہ سب حسابات شمس و قمر
کی حرکات وسطی (یعنی حرکات اصطلاحی غیر حقیقی)
پر مبنی ہیں، نہ کہ حرکات مرئیہ پر جو حقیقی ہیں، نیز یہ
زیچیں اسی اصول پر بنائی گئی ہیں کہ سال قمری
تین سو چون ۳۵۴ دن اور ایک خمس اور سدس دن کا ہوتا ہے

وان كل ناقص منها يتلوه تام
على ما عمل عليه فى الزيجات،
وذكر فى الكتب المنسوبة
الى عللها

فلما قصدوا استخراج اول الصوم
واول الفطر بها خرجت قبل
الواجب بيوم فى اغلب الاحوال
.... قالوا ان شهر رمضان
لا ينقص من ثلاثين
فاما اصحاب الهيئة ومن تامل
الحال بعناية شديدة فانهم
يعلمون ان رؤية الهلال
غير مطرد على سنن واحد
لاختلاف حركة القمر المرئية
بطيئة مرة وسريعة اخرى
وتدبيه من الارض وبعده
وصعوده فى الشمال والجنوب

اور سال کے چھ مہینے کامل تیس دن کے
اور چھ مہینے ناقص (یعنی ۲۹ دن کے) ہوتے ہیں
اور ہر ناقص مہینہ کامل کے معاً بعد ہوتا ہے جیسا کہ
زیجوں میں معمول ہے، اور ان کتابوں میں
مذکور ہے جو علل زیج کی طرف منسوب ہیں (یعنی جن
زیج تیار کرنے کے وجوہ بیان ہوتے ہیں،
پھر جب ان لوگوں نے اول رمضان یا عید
کو معلوم کرنا چاہا تو اکثر حالات میں اس کے
واجب ہونے سے ایک دن پہلے کا دن
نکلا تو انھوں نے کہہ دیا کہ ماہ رمضان
تیس دن سے کم کا نہیں ہوتا،
لیکن اصحاب ہیئت اور جن لوگوں نے
پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا ہے وہ
جانتے ہیں کہ رؤیت ہلال ہمیشہ ایک طریقہ پر ممکن
نہیں، کیونکہ قمر کی حرکت مرئیہ کبھی آہستہ
ہوتی ہے اور کبھی تیز اور کبھی وہ زمین سے
قریب ہوتا ہے اور کبھی دور اور کبھی
وہ شمال و جنوب میں حالت صعود میں
ہوتا ہے اور کبھی حالت ہبوط میں

وهبوطه فيها وحدوث كل واحد
من هذه الاحوال له فى كل نقطة
من فلك البروج ثم بعد ذلك
لما يعرض من سرعة غروب
القطع من فلك البروج وبطء
بعض وتغير ذلك على اختلاف
عروض البلدان واختلاف
الاهوية اما بالاضافة الى
البلاد الصافية الهواء بالطبع
والكدرة المختلطة بالبخارات
دائما والمغبرة فى الاغلب واما
بالاضافة الى الازمنة اذا
غلظ فى بعضها ورق فى بعض و
تفاوت قوى بصر الناظرين اليه
فى الحدة والكلال وان ذلك
كله على اختلاف صنوف
الاقترانات كائنة كل اول
شهرى رمضان وشوال على
اشكال غير معدودة واحوال

اور یہ سب حالات فلک البروج کے ایک ایک
نقطہ پر اس میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مستزاد
یہ ہے کہ فلک البروج کے بعض قطعے جلدی
غروب ہو جاتے ہیں اور بعض دیر میں اور
عرض البلد کے اعتبار سے بھی اس میں تغیر
ہوتا رہتا ہے اور ہواؤں کے اختلاف سے بھی
کیونکہ بعض ملکوں کی ہوا طبعی طور پر
صاف ہوتی ہے، اور بعض میں ہمیشہ بخارات
کے اختلاط کی وجہ سے کدورت رہتی ہے،
اور بعض کی فضا اکثر غبار آلود رہتی ہے، نیز
موسم کے لحاظ سے بھی ہواؤں میں اختلاف
ہوتا ہے، کسی موسم میں اس میں کثافت آجاتی
ہے، کسی موسم میں رقت رہتی ہے، نیز دیکھنے والوں
کی نگاہ میں بھی تیزی اور درماندگی کے لحاظ
سے تفاوت ہوتا ہے، اور قمر کے یہ سب مختلف
احوال اور طرح طرح کے قرانات ہر ماہ
رمضان و شوال کی ابتدا میں بے شمار اشکال
اور غیر محدود احوال پر ہوتے رہتے ہیں،
یہی وجہ ہے کہ کبھی ماہ رمضان انتیس دن کا

غير محدودة فيكون لذلك شهر رمضان ناقصا مرة وتاما اخرى وان ذلك كله ما يختلف بتزايد عروض البلدان وتناقصها فيكون الشهر تاما في البلدان الشمالية مثلا وناقصا هو بعينه في الجنوبية منها وبالعكس، ثم لا يجري ذلك فيها على نظم واحد بل يتفق فيها ايضا حالة واحدة بعينها الشهر واحد مرارا متوالية وغير متوالية

ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا، اور یہ سب حالات عرض البلد کے گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے مختلف ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ کبھی شمالی ملکوں میں ایک مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے، اور وہی مہینہ جنوبی ممالک میں انتیس کا اور کبھی اس کے بالکل برعکس، پھر یہ بھی ہمیشہ ایک نظم پر نہیں چلتا، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مخصوص مہینہ بارہا مسلسل یا غیر مسلسل ایک ہی حالت پر چلتا رہتا ہے،

فلو صح عملهم مثلا بتلك الجداول والحسابات واتفق مع رؤية الهلال او تقدمه يوما واحدا كما اصلوا لاحتاجوا الى افرادها لكل عرض على ان اختلاف الرؤية ليس متولدا من جهة العرض فقط لكن لاختلاف احوال للبلد فيها اوفر نصيب لانه ربما العرض

اگر ان گوشواروں اور حسابات کے لحاظ سے ان کا عمل صحیح بھی ہوا اور وہ رؤیت ہلال سے متفق ہو جائے یا ان کے اصول پر ایک دن پہلے بنے تب بھی ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر عرض البلد کے لیے ایک علیحدہ نقشہ بنائیں، اگرچہ رویت ہلال میں اختلاف محض عرض البلد ہی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ طول البلد کو بھی اس اختلاف میں

في بعض البلاد ورؤى في مكان اقرب منه الى المغرب وربما اتفق ذلك فيهما جميعا وذلك مما يحوج ايضا الى افراد الحساب والجداول لكل واحد من اجزاء الطول فاذن لا يمكن ما ذكروه من تمام شهر رمضان ابدا ووقوع اوله وآخره في جميع المعمور من الارض متفقا كما يخرجه الجدول الذي يستعملونه (ص ۶۳ تا ۶۶ طبع لیبزگ ۱۹۲۳ء)

بہت بڑا دخل ہے، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض ممالک میں چاند نظر نہیں آتا اور جو ممالک اس سے مغرب میں قریب ہوتے ہیں وہاں نظر آجاتا ہے اور کبھی دونوں جگہ دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے، اس بنا پر ان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ طول البلد کے ہر جزء کے لیے مستقل حسابات اور نقشے تیار کریں، غرض ایسی صورت میں ان لوگوں کا دعویٰ کہ رمضان کا مہینہ ہمیشہ تیس ہی دن کا ہوتا ہے اور تمام معمورۂ ارض میں اس کا اول و آخر ہمیشہ یکساں ہی ہوتا ہے جیسا کہ انکا گوشوارہ بتاتا ہے، صحیح نہیں ہے،

آگے چل کر اسی کتاب میں جہاں ہجری قمری مہینوں کے اوائل کو معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ

فاما رؤية الهلال ففي تحقيقه من الطول والصعوبة ما يحتاج معه الى اعمال صعبة وجداول كثيرة ويكتفي منه بما في زيج محمد بن جابر البتاني وزيج حبش الحاسب فليقصدهما ان احتاج اليهما (ص ۱۹۲)

لیکن ریاضی کے اصول پر رؤیت ہلال کی تحقیق میں بڑی طوالت اور دشواری ہے، اس کے لیے سخت اعمال اور بہت سے گوشواروں کی ضرورت ہے، اس لیے جو کچھ محمد بن جابر بتانی اور حبش حاسب کی زیج میں ہے اس پر اکتفا کیا جائے اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جائے،

(باقی)

اسلامی ہند کے نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج

از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے

(۲)

ہند و ایران کے روابط علمیہ ہندوستان اور ایران کے ثقافتی روابط بہت قدیم ہیں، بعثت اسلام سے قبل بھی ان کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً حکیم برزویہ سنسکرت ادب و اخلاق کی کتاب کلیلہ و دمنہ (کرٹک دمنک) کے لیے ہندوستان آیا تھا، اس سے پہلے اردشیر اور شاپور کے زمانہ میں طب فلسفہ وغیرہ کی کتابیں سنسکرت سے پہلوی میں ترجمہ ہوئیں، دوسری طرف یونانی ریاضی و ہیئت پہلے ایران اور باختر پہنچی، چنانچہ اولیری "یونانی علوم کی عربوں میں منتقلی" میں لکھتا ہے:

(مرو، باختر اور صغد یونانی ثقافت کے مرکز بن گئے تھے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۱)

اور وہاں سے ہندوستان جہاں اس نے مقامی نجوم و ہیئت کو متاثر کیا، اولیری اسی کتاب میں (ص ۱۰۴) لکھتا ہے:-

"گپتا خاندان کے عہد میں شہر پاٹلی پتر علمی مطالعہ کا مرکز بن گیا تھا، بالخصوص ہیئت و ریاضیات کا، ان دونوں پر قطعی طور پر اسی قسم کا یونانی اثر نمایاں ہے، جو اسکندریہ کے معاصر مدارس میں رائج تھا۔"

مگر بعثت اسلام سے پہلے کے ہندی ایرانی روابط علمیہ موضوع زیر بحث سے باہر ہیں، عہد اسلام میں بھی یہ دوطرفہ روابط قائم رہے۔

۱۔ ۱۵۶ھ میں سندھ کا ایک علمی وفد برہم سدھانت" کا نسخہ لیکر بغداد پہنچا، جہاں منصور عباسی کے ایماء سے محمد بن ابراہیم الفزاری اور یعقوب بن طارق نے اسے عربی میں منتقل کیا، یہ ترجمہ عرصے تک "السندھند الکبیر" کے نام سے مسلمان ہیئت دانوں میں مشہور رہا، بعد میں اسی کی بنیاد پر محمد بن موسی الخوارزمی نے اپنی زیچ مرتب کی جو "اسلامی ہیئت" کا سنگ بنیاد سمجھی جاسکتی ہے، ہیئت کے علاوہ ہندوستان کا مخصوص علم الحساب بھی عربوں میں پہنچا اور عرصہ تک "الحساب الہندی" کے نام سے مسلمان ریاضی دانوں کی تصنیفی کوششوں کا موضوع بنا رہا، ہندوستان ہی سے وہ مخصوص ترقیم اعداد کا طریقہ مسلمانوں تک پہنچا، جسے وہ الارقام الہندیہ "مگر یورپ والے" کہتے ہیں، حساب و ہیئت کے علاوہ ہندو طب کی بہت سی کتابیں بھی برامکہ کے زیر سرپرستی عربی میں ترجمہ ہوئیں، ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی ایک مبسوط فہرست دی ہے، ان تراجم سے عرب اطباء نے بہت کچھ استفادہ کیا، چنانچہ قدیم ترین ایرانی طبیب علی بن ابن الطبری اپنی کتاب "فردوس الحکمۃ" میں جس طرح یونانی اطبا کے حوالے دیتا ہے، اسی طرح ہندوستانی اطباء سشرد اور ندان وغیرہ کے بھی حوالے دیتا ہے، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ ابوبکر بن زکریا الرازی نے اپنی تصانیف، بالخصوص "کتاب الحاوی" میں جابجا چرک اور دوسرے ہندو اطبا کے حوالے دیے ہیں،

اسی کے ساتھ بہت سے ہندی و سندی فضلاء نے عراق و ایران جاکر علوم دینیہ اور شعر و شاعری میں درجۂ امامت حاصل کیا، امام اوزاعی کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ وہ سندی الاصل تھے، اسی طرح عمرو بن عبید جو معتزلی علم کلام کے بانی واصل بن عطاء کا دست راست تھا، بقول مسعودی سندی الاصل تھا، ابو عطا بن یسار جس کے کلام کا اقتباس ابو تمام نے حماسہ میں دیا ہے، سندی تھا،

ب۔ دوسری طرف عرب اور بغداد کے علماء و فضلاء سندھ اور ملتان اور بعد میں ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جاکر یہاں کی علمی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے، ان میں قدیم ترین نام جس کو تاریخ نے محفوظ رکھا ہے، قاضی موسیٰ بن یعقوب الثقفی کا ہے، جنھیں محمد بن قاسم اپنے ہمراہ لایا تھا، اور فتح سندھ (۹۳ھ) کے بعد یہاں کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، بعد کے لوگوں میں قاضی ابن ابی الشوارب اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مورث اعلیٰ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان کے اخلاف مغربی ہندوستان کے علمی خانوادوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، پانچویں صدی کے آغاز میں ابوریحان البیرونی ہندوستان آیا، اس نے یہاں آکر ہندو فلسفہ و ہیئت ہی نہیں سیکھا، بلکہ ہندوؤں کو بھی مسلم ریاضی و ہیئت سکھائی،

اس کے بعد تو یہ دوطرفہ علمی روابط اور بھی مستحکم ہوگئے، بالخصوص مملوک سلاطین کے تخت دہلی پر متمکن ہو جانے کے بعد، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے، بہرحال یہ ایک عام تاریخی واقعہ رہا ہے کہ ہر وہ ثقافتی تحریک جو ایران میں ظہور پذیر ہوئی، ہندوستان پر بھی اثر انداز ہوئی، مگر یہاں صرف ہندو ایران کے علمی روابط کے ان اہم اوقات کی مختصر طور پر نشاندہی کرنا مقصود ہے، جنھوں نے یہاں کے علمی طبقوں میں منطق و حکمت کی تعلیم کو خصوصیت سے متاثر کیا،

تیسری صدی تک ہندوستان میں فلسفہ و معقولات کی تعلیم کی تفصیلات ہنوز دستیاب نہیں ہو سکی ہیں، خود عراق و ایران میں یہ فنون عام طور پر مروج نہ تھے، صرف حدیث و فقہ کا چرچا تھا، اور ہندوستان (سندھ و ملتان) کے اکثر لوگ حدیث ہی کے تعلم و تعلیم میں نظر آتے ہیں،

عراق پر علوم عقلیہ کی ترقی خاص طور سے تیسری صدی کے آغاز سے شروع ہوتی ہے، یہ مامون الرشید کی عقلیت پرستی اور "علوم الاوائل" (یونانی حکمت) کے ساتھ غیر معمولی شغف کا نتیجہ تھا، اس کے بعد بھی لوگوں کا اعتناء علوم عقلیہ کے ساتھ برقرار رہا، تا آنکہ متوکل باللہ کے زمانہ میں مدرسہ فلسفہ جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں اسکندریہ سے انطاکیہ میں منتقل ہو آیا تھا، حران پہنچا،

بعد میں جب انحلال خلافت سے فکری بے راہ روی بڑھنے لگی تو کھلے بندوں عقلی علوم بغداد میں داخل ہوگئے، یہ معتضد باللہ (۲۷۹ھ۔ ۲۸۹ھ) کا زمانہ تھا، اور اگلی صدی سے فلسفہ و معقولات دیگر اسلامی ممالک بالخصوص ہندوستان تک پہنچنے لگے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ا۔ تیسری صدی کے سرے پر باطنی (اسماعیلی یا قرمطی) تحریک ظہور میں آئی، اس سے فلسفہ و دیگر علوم عقلیہ کی اشاعت کو غیر معمولی مدد ملی، اس تحریک کا مقصد اسلام اور عرب حکومت کی بیخ کنی اور مجوسیت اور ایرانی سلطنت کا احیا تھا، اس حیثیت سے یہ ایک انقلابی و سیاسی تحریک تھی، مگر اس نے خود کو مستحکم اور پائدار بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اپنی آئیڈیالوجی فلسفہ پر قائم کی، چنانچہ شہرستانی نے قدماء باطنیہ کے بارے میں لکھا ہے:۔

ثم ان الباطنية القديمة قد	پھر قدیم باطنیوں نے اپنے کلام کو فلاسفہ
خلطوا كلامهم ببعض كلام	کے بعض کلام سے مخلوط کر دیا، اور اپنی
الفلاسفة وصنفوا كتبهم	کتابیں اسی طرز پر تصنیف کیں،
على ذالك المنهاج	

اور وہ فلسفیوں کو بڑی آؤ بھگت کے ساتھ اپنی تحریک میں شامل کرتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن الحسن القیروانی نے ابو سلیمان الجنابی کو جو رسالہ بھیجا تھا، اس میں لکھا تھا،

واذا ظفرت بالفلسفي فاحتفظ	جب تم کو کوئی فلسفی مل جائے تو اس کو اپنے
به فعلى الفلاسفة معولنا وانا	قبضہ میں لے لو کیونکہ فلاسفہ پر ہمارا اعتماد ہے،
واياهم مجمعون على القول بقدم	ہم اور وہ قدم عالم کے عقیدے پر
العالم	متفق ہیں،

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے دعاۃ کو فلسفہ اور دیگر علوم عقلیہ بالخصوص ریاضیات کی خاص طور سے تعلیم

دیتے تھے، ابو عبد اللہ بن رزام سے جو اس تحریک کا قدیم ترین مورخ ہے، ابن ندیم نقل کرتا ہے:

ومن شان دعاتھم ان یتنقلوا	ان داعیوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ روئے زمین
فی الارض ..... وان یتحلی بطرف	کی سیاحت کرتے تھے، اور تھوڑی بہت
من الهندسة وصعان من تهادیل	ہندسہ اور فلسفہ سے واقفیت رکھتے تھے

بغرض تبلیغ

چنانچہ اس تحریک کے اولین بانی خود فلسفہ اور نجوم کے ماہر تھے، ابو الفضائل ہمدانی نے بانیٔ باطنیت عبد اللہ بن میمون القداح کے بارے میں لکھا ہے:-

وکان الملعون عارفاً بالنجوم	یہ ملعون فلسفہ کا ماہر تھا، اور ان احبار
وکان من احبار الیهود واهل	یہود اور فلاسفہ میں تھا جو فلسفہ کے
الفلاسفة الذین عرفوا جمیع	تمام مذاہب سے واقفیت رکھتے تھے۔

المذاهب

اسی طرح محمد بن الحسین زیدان کے بارے میں ابن ندیم لکھتا ہے:-

وکان هذا الرجل متفلسفاً حاذقاً بعلم النجوم	یہ شخص فلسفی اور علم نجوم میں ماہر تھا۔

ابو الفضائل نے حمدان قرمط کو بھی نجوم کا ماہر اور ابو سعید الجنابی کو فیلسوف بتلایا ہے، بہر حال باطنیوں نے اپنی تحریک کو فلسفہ پر استوار کیا اور ان کے دعاۃ اپنے متبعین کو دعوت کے آخری منازل میں یونانی فلسفہ سے آشنا بنانے کی خصوصیت سے تعلیم دیتے تھے، چنانچہ مقریزی نے باطنی دعوت کی منازل میں سے چھٹی منزل کے بارے میں لکھا ہے؛

نقله الداعی الی الکلام فی	اس کو داعی نے فلسفہ میں بحث و نظر کی طرف
الفلسفة وحرضه علی النظر	متوجہ کیا اور افلاطون، ارسطو، فیثاغورث
فی کلام افلاطون وارسطو	اور ان کے قبیلہ کے دوسرے فلاسفہ کے
وفیثاغورث ومن فی معناهم	اقوال پر غور و فکر پر آمادہ کیا،

اور آخری منزل میں تو اسے فلاسفہ کی کتابیں اور علوم فلسفیہ کے پڑھنے ہی کی تلقین کی جاتی تھی۔

احاله علی ما تقرر فی کتب الفلاسفة	اس کو ان چیزوں پر آمادہ کیا جو فلاسفہ
من علم الطبیعیات وما بعد	کی کتابوں میں ثابت ہیں یعنی علم طبیعیات
الطبیعة والعلم الالهی وغیر	ما بعد الطبیعیات، علم الٰہی اور ان کے علاوہ
ذلک من اقسام العلوم الفلسفة	دوسری قسم کے علوم فلسفہ

اس طرح سے اسماعیلیت اور قرمطیت خود فلسفہ کی اشاعت کا قوی سبب بن گئی، ان کے مذاکرات کا محور مسائل فلسفیہ ہی ہوا کرتے تھے، چنانچہ ابن سینا اپنے باپ کے بارے میں لکھتا ہے:-

وکان ابی ممن اجاب داعی المصریین	میرے والد نے مصریوں کے داعی کی دعوت
ویعد من الاسماعیلیة	قبول کی اور ان کا شمار اسماعیلیہ میں
ویجرون علی السنتهم ذکر	ہوتا ہے،..... ان لوگوں کی زبان پر
الفلسفة والهندسة و	فلسفہ، ہندسہ اور ہندی حساب
حساب الهند	کا ذکر رہتا ہے۔

تفلسف اور قرمطیت کے اس باہمی لزوم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ میں "فلسفی" بھی اتنا ہی مبغوض سمجھا جانے لگا جتنا کہ ایک اعدامی ([illegible]) قرمطی، بالخصوص ہندوستان میں، اس لیے فلاسفہ اپنے کو فلسفی نہیں کہتے تھے، ابن سینا اور اس کے تلامذہ تو فقہا کی طرح رہتے تھے اور خود کو فقیہ ہی کے نام سے موسوم کرتے تھے، ہندوستان میں علوم حکمیہ (معقولات) کے ماہرین "دانشمند" کہلاتے تھے، اس لئے لوگوں کو شبہہ ہوا کہ اکبر کے دین الٰہی سے پہلے ہندوستان میں فلسفہ کی تعلیم کا رواج ہی نہ تھا، اس کی تفصیل آگے آئے گی،

بہر حال فلسفہ و حکمت میں اپنے دعاۃ کی تربیت کرنے کے بعد اسماعیلی تحریک کے بانیوں نے

انھیں ساری اسلامی دنیا میں پھیلا دیا، اس لیے غالباً چوتھی صدی کی ابتدا ہی سے ہندوستان (سندھ و ملتان) میں بھی اسماعیلی دعاۃ کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور انھوں نے انقلاب کے لیے یہاں زمین ہموار کرنا شروع کی،

پہلے ملتان میں کامیابی ہوئی جہاں ۳۰۰ھ سے بنو منبہ کی سنی حکومت قائم تھی، اور جو ۳۷۵ھ کے قریب تک رہی، کیونکہ جب ۳۶۷ھ میں ابن حوقل یہاں آیا تو اس نے سنی مذہب ہی پایا، ۳۷۲ھ کے بعد عضد الدولہ دیلمی کی وفات پر فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے دیگر اقطار عالم کی طرح ایک شخص جلم بن شیبان کو ملتان بھیجا، یہ علاقہ پہلے ہی سے انقلاب کے لیے تیار تھا، اس لیے جلم نے ۳۷۵ھ سے پہلے یہاں اسماعیلی حکومت قائم کرلی، کیونکہ جب مقدسی یہاں آیا تو اس نے ملکی مذہب تشیع پایا، جلم نے ملتان میں قابض ہوکر یہاں کے مشہور بت کو توڑ ڈالا، چنانچہ البیرونی نے "کتاب فی تحقیق ما للہند من مقولۃ" میں لکھا ہے:

فلما استولت القرامطۃ علی	جب قرامطہ ملتان پر قابض ہوگئے تو جلم
الملتان کسر جلم بن شیبان	ابن شیبان نے یہاں کے بت کو توڑ
المتغلب ذالک الصنم و	ڈالا اور اس کے پجاری کو قتل
وقتل سدنتہ	کر دیا،

مگر جلم کے جانشین لائق نہ تھے، ادھر خراسان میں محمود غزنوی ۳۸۷ھ میں بادشاہ ہوا جو قرامطہ کا دشمن تھا، اس نے داؤد حاکم ملتان کی معاندانہ و سیہ کاریوں سے تنگ آکر [تفصیل آگے آرہی ہے] ۴۰۱ھ میں حملہ کرکے اسے تہس نہس کر ڈالا، یہاں سے ناکام ہوکر اسماعیلی منصورہ (سندھ) پہنچے، جو غالباً انقلاب کے لیے تیار ہوچکا تھا، اور وہاں اسماعیلی حکومت قائم کرلی، مگر ۴۱۶ھ میں محمود نے خفیف والی منصورہ کو شکست دیکر سندھ کو بھی فتح کرلیا،

مگر ملتان کے اس حکومتی انحلال سے قرامطہ کا زور ختم نہیں ہوا، کیونکہ جب پانچویں صدی کے آخر میں غزنوی حکومت کمزور ہوگئی تو انھوں نے پھر ملتان پر قبضہ کرلیا، پھر انھی قرامطہ سے ۵۷۱ھ میں محمد غوری نے ملتان کو چھینا، لیکن وہ بھی ان کا پورے طور پر استیصال نہ کرسکا، کیونکہ یہیں کے ایک فدائی کے ہاتھ سے وہ ۶۰۲ھ میں شہید ہوا، بعد میں قرامطہ کی سرگرمیاں دہلی تک پہنچ گئیں، اور رضیہ کے عہد میں ترک کے زیر قیادت انھوں نے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی، اور اگرچہ اس میں وہ ناکام رہے،

غرض جنوبی مغربی ہندوستان میں عراق و ایران کی قرمطی تحریک کا اثر چوتھی صدی کے آغاز سے چھٹی صدی کے آخر تک رہا، اور چونکہ اسمٰعیلی تعلیم میں فلسفہ و حکمت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، اس لیے یہ باور کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ اسماعیلیوں کی دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں فلسفہ و حکمت کی تعلیم کی بھی گرم بازاری ہوئی ہوگی، اگرچہ خفیہ طور پر، اسی لیے اس کی تفصیلات دیگر خفیہ تحریکوں کی طرح پردۂ خفا میں ہیں،

۲۔ پانچویں صدی کے آغاز میں ایران میں اسلامی فلسفہ کی مثلث اعظم شیخ بو علی سینا کا ظہور ہوا، مشرق میں فلسفہ اور شیخ بو علی سینا مترادف الفاظ ہیں، شیخ کا شاگرد رشید بہمنیار اور اس کا شاگرد ابو العباس اللوکری تھا، ابو العباس اللوکری ہی سے خراسان میں فلسفہ کی تعلیم پھیلی، بیہقی نے تتمہ صوان الحکمۃ میں لکھا ہے:

ومن الادیب ابو العباس انتشرت	اور ادیب ابو العباس کے ذریعہ خراسان میں
علوم الحکمۃ بخراسان	علوم حکمت پھیلے،

اس وقت لاہور آخری دور کے غزنوی سلاطین کا مستقر حکومت تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا یہاں دیوان کتابت کے امیدوار عہدیداروں کی تعلیم کے لیے فلسفہ و حکمت کا بھی

رواج تھا۔ لہٰذا جب خراسان میں ابو العباس اللوکری کی توجہ سے فلسفہ و حکمت کی گرم بازاری ہوئی تو اس نے لاہور اور ہندوستان کے دوسرے خطوں کی تعلیمی سرگرمیوں کو بھی متاثر کیا، مگر افسوس اس عہد کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، البتہ عوفی نے شعراء میں ایک مشہور کاتب یوسف بن محمد دربندی کا ذکر کیا ہے، جو جمال الفلسفہ کہلاتا تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ اس عہد کے لاہور میں اور بھی فلاسفہ تھے، جن کے گل سرسبد یوسف بن محمد دربندی تھے، معقولات کے دوسرے فضلا کے نام آگے آرہے ہیں،

۳- چھٹی صدی کا آخر امام رازی کا زمانہ ہے، جو معقولات (علم استدلالی) کے مظہر اتم سمجھے جاتے تھے، اسی پر طنز کرتے ہوئے مولانا روم نے فرمایا تھا،

گر بعقل ورائے کار دیں بدے فخر رازی راز دار دیں بدے

اقصائے عالم سے لوگ آکر ان کے درس میں شریک ہوتے تھے، ساتویں صدی میں ان کے تلامذہ عالم اسلامی میں پھیلنا شروع ہوئے، سیاسی حالات بھی اسی کے مقتضی تھے، تاتاریوں کی چیرہ دستیوں سے دنیائے اسلام میں قیامت برپا تھی، مغرب میں صرف مصر اور مشرق میں ہندوستان بچا ہوا تھا، اس لیے ان کے بہت سے تلامذہ ہندوستان آئے اور یہاں آکر حکمت و معقولات کی تعلیم کو ترقی دی، اس کی تفصیل آگے آرہی گی،

۴- ساتویں صدی کے وسط میں ایران میں ایک اور عبقری پیدا ہوا، یہ محقق طوسی تھے، جنھوں نے بو علی سینا کے فلسفہ کی تجدید کی، بقول صاحب مجالس المومنین :-

"جامع تحقیقات ابو علی را کہ بتصادم شبہات ابو البرکات یہودی و تشکیکات فخر الدین رازی بانہدام رسیدہ از غایت علو حکمت و کمال ادراک، استدراک نمود"۔

محقق طوسی کی "تجرید فی الکلام" معقولات میں ایک بلند مقام رکھتی ہے، علمائے عجم نے شرح و تحشیہ

کے ذریعے اس کے ساتھ غیر معمولی اعتنا کیا، اور نویں صدی میں انھوں نے ہندوستان میں مقبولیت حاصل کرلی، اس کی تفصیل آگے آئے گی، مگر آٹھویں صدی میں محقق طوسی کے تلامذہ کے شاگردوں نے ہندوستان آکر نہ صرف یہ کہ یہاں کی ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیا، بلکہ معقولات کی تعلیم کا بازار بھی گرم کر دیا، محقق طوسی کے شاگرد قطب الدین شیرازی کے شاگرد قطب الدین رازی تھے، امام الدین ریاضی لکھتے ہیں :

"شمس فلک المحققین و نیر کوکبہ المدققین العلامۃ قطب الدین محمد بن مسعود مصلح الشیرازی ...... در حکمت شاگرد خواجہ نصیر الدین طوسی است ...... عام الخافقین ظاہر القطبین محور فلک الحکمۃ و الدین المولی قطب الدین الرازی ...... علم از علمائے کبار اخذ نمودہ از انجملہ است مولانا قطب الدین علامہ شیرازی"۔

قطب الدین رازی کے شاگرد مولانا جلال الدین رومی تھے، جو ہندوستان آکر فیروز تغلق کے مدرسہ کے صدر ہوئے، انہی نے یہاں "شرح شمسیہ" کو داخل درس کیا، ان کے تلامذہ میں شیخ یوسف ابن جمال ملتانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، اس عہد کے ایک دوسرے فاضل مولانا نجم الدین سمرقندی تھے، جنھیں فیروز تغلق نے بالا بند سیری کے مدرسہ کا صدر مقرر کیا تھا،

۵- آٹھویں صدی کے فضلائے شیراز کے گل سرسبد قاضی عضد الدین الایجی تھے، جو ابو اسحاق والی شیراز کے دربار کے پانچ نورتنوں میں سے ایک تھے، حافظ کہتے ہیں :

دگر شہنشۂ دانش عضد کہ در تصنیف بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد

یہ محمد تغلق (۷۲۵ھ-۷۵۲ھ) کا زمانہ تھا، وہ دل و جان سے چاہتا تھا کہ دربار ابو اسحاق کا یہ گوہر درخشاں اس کے دربار کی زینت بنے، اس لیے اس نے مولانا معین الدین عمرانی کو انھیں بلانے کے لیے شیراز بھیجا، مگر ابو اسحاق کے احسانات قاضی عضد پر اتنے عظیم تھے کہ وہ نہ آسکے، مولانا غلام علی آزاد نے

"سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے:-

ارسلہ (مولانا معین الدین العمرانی) السلطان محمد بن تغلق شاہ والی الھند .... الی القاضی عضد الدین الایجی بشیراز واتحف الیہ ھدایا غیر محصورۃ والتمس بالھند قدومہ ..... فامسکہ السلطان ابو اسحٰق وبجم تقییدہ بسلسلۃ الاحسان علی الاطلاق

سلطان محمد بن تغلق بادشاہ ہندوستان نے مولانا معین الدین عمرانی کو بے شمار ہدایا و تحائف کے ساتھ قاضی عضد الدین الایجی کے پاس شیراز بھیجا، اور ان سے ہندوستان آنے کی درخواست کی لیکن سلطان ابو اسحاق نے ان کو احسانات سے گرانبار کر کے روک لیا،

قاضی عضد المواقف فی الکلام کے مصنف ہیں، جو اس فن کی ادبیات عالیہ میں محسوب ہوتی ہے، اکثر سلاطین وقت اسے اپنے نام پر معنون کرانا چاہتے تھے، چنانچہ وہ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"بکرا من ابکار الجنان ..... وکنت برہۃ من الزمان .... اشاور ذوی، لنھی من اعدنائی مع تقدہ وخاطبیھا"۔

ان خاطبگاروں میں محمد تغلق بھی تھا، کیونکہ میر سید شریف "خاطبیھا" کی شرح میں لکھتے ہیں "ومن جملۃ خاطبیھا سلطان الھند محمد شاہ جونہ"۔

قاضی عضد تو ہندوستان نہ آسکے، لیکن ایران کے اور فضلا یہاں تشریف لائے، ان میں مولانا صدر شریعت سمرقندی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، وہ علوم حکمیہ بالخصوص ہندسہ و ہیئت میں ید طولیٰ رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے "منجم" کہلاتے تھے، وہ سلطان علاء الدین حسن گنگوہ بہمنی کے زمانہ میں دکن آئے، اور عرصہ تک صدر مملکت کے عہدہ پر رہے،

۵۔ قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (المتوفی ۷۹۲ھ) تھے، جو بعد میں تیمور کے دربار کی زینت بن گئے تھے، وہ اپنے علم و فضل کی بنا پر علامہ کہلاتے ہیں، انکے اکثر شاگرد ہندوستان میں آئے ان میں میر فضل اللہ انجو زیادہ مشہور ہیں، جو فیروز شاہ بہمنی کے استاد تھے، ان ہی سے اس نے معقولات و ریاضیات کا ذوق اخذ کیا تھا، فیروز شاہ بہمنی کے دربار میں اور بھی ایرانی فضلا آئے، ان میں حسن بن علی گیلانی اور سید محمود گازرونی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، انہی کی تولیت میں فیروز شاہ بہمنی نے بالاگھاٹ پر رصدگاہ تعمیر کرانے کا انتظام کیا تھا جو ہندوستان میں پہلی رصدگاہ تھی۔

علامہ تفتازانی کے دوسرے مشہور شاگرد مولانا موسیٰ الجبری تھے، جو دہلی تشریف لائے، ان سے مولانا فتح اللہ ملتانی نے تعلیم حاصل کی تھی،

تیسرے مشہور شاگرد مولانا ثناء الدین ملتانی تھے، وہ علامہ کے فضل و کمال کا شہرہ سن کر ان سے پڑھنے ایران گئے تھے، وہاں سے واپس ہو کر معقولات کی تعلیم پر خصوصیت سے توجہ دی، ان کے شاگرد مولانا سماء الدین اور مولانا فتح اللہ تھے، موخر الذکر کے شاگرد مولانا عبد اللہ اور مولانا عزیز اللہ تھے، جنھوں نے دہلی جاکر معقولات کی تعلیم کو خصوصیت سے ترقی دی، مولانا عزیز اللہ کے شاگرد میاں حاتم سنبھلی تھے، جو اپنے وقت میں معقول و منقول دونوں میں مشار الیہ سمجھے جاتے تھے،

۷۔ قاضی عضد کے شاگرد رشید میر سید شریف تھے، جو اپنی "شرح المواقف" کے لیے مشہور ہیں، اس زمانہ میں پنجاب کے ایک مشہور عالم کمال الدین تھے، جن کے اخلاف میں آگے چل کر مولانا الہداد سلطانپوری بہت مشہور ہوئے، مولانا کمال الدین میر سید شریف سے پڑھنے گئے اور واپس آکر معقولات کی تعلیم کو نیا رواج دیا،

۸۔ نویں صدی کے آغاز میں محقق دوانی کے علم و فضل کی شہرت تھی، جنھیں محقق طوسی کے بعد قوم نے محقق کے خطاب سے مخاطب کیا، انھوں نے شرح تجرید قوشجی پر تین حاشیے لکھے، قدیمہ،

جدیدہ اور اجد۔ ان میں سے حاشیہ قدیمہ ایران و ترکی کے علاوہ ہندوستان میں بھی بہت زیادہ مقبول ہوا اور اکثر علما نے تدریس و تحشیہ کے ذریعہ اس سے اعتنا کیا،

مگر محقق دوانی کا ہندوستان میں معقولات کی نشر و اشاعت پر خاص احسان ہے، یہاں کے اکثر علمی خاندانوں کا سلسلۂ تلمذ محقق دوانی تک پہنچتا ہے، ان کے متعدد شاگرد یہاں تشریف لائے جن کی وجہ سے اس ملک میں معقولات کا بہت زیادہ رواج ہو گیا،

محقق دوانی کے دو شاگرد ابوالفضل گازرونی اور ابوالفضل استرآبادی گجرات آئے، ابوالفضل گازرونی کے شاگرد شیخ مبارک اور ابوالفضل استرآبادی کے شاگرد وزیر آصف خاں (عبدالعزیز الگجراتی) تھے، تیسرے شاگرد ملا عماد طارمی تھے، وہ بھی گجرات آئے، ان کے شاگرد مولانا وجیہ الدین گجراتی تھے، جو ایک کثیر الدرس اور کثیر التصنیف عالم تھے، علوم دینیہ و ادبیہ کے علاوہ انھوں نے فلسفہ و حکمت اور ریاضی و ہیئت کی متعدد کتابوں پر بھی شروح و حواشی لکھے، تفصیل آگے آئے گی،

ایک اور شاگرد میر رفیع الدین صفوی تھے، مگر انھوں نے حدیث کے ساتھ اعتنا کیا، بعد میں صفویوں کے مظالم سے تنگ آکر ہندوستان چلے آئے جہاں وہ آگرہ میں حدیث کا درس دیتے تھے،

محقق دوانی کے شاگرد رشید خواجہ جمال الدین محمود الشیرازی تھے، وہ بھی صفویوں کے مظالم سے تنگ آکر مکہ معظمہ ہوتے ہوئے آخر کار میر رفیع الدین کے ہمراہ ہندوستان چلے آئے، خواجہ جمال الدین محمود کے شاگرد مرزا جان شیرازی تھے جن سے وہ سلسلہ چلا جس میں میر زاہد اور شاہ ولی اللہ منسلک ہیں،

خواجہ جمال الدین محمود کے دوسرے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی تھے، جو بعد میں میر غیاث الدین منصور کے شاگرد ہو گئے تھے، انھوں نے مولانا کمال الدین مسعود شروانی اور مولانا کرد سے بھی کسب فیض کیا تھا، پہلے امیر فتح اللہ کے شاگرد امیر عنایت اللہ دکن آئے اور علی عادلشاہ کے مقرب خاص ہو گئے، بعد میں ان کے ایما پر امیر فتح اللہ بھی دکن چلے گئے، جہاں بادشاہ نے وکیل در بنا دیا، مگر کچھ دن بعد سیاسی انتشار سے پریشان ہو کر پہلے عبدالرحیم خانخانان کے پاس گجرات گئے، پھر اکبر کی طلب پر ۹۹۱ھ میں لاہور پہنچے، اکبر نے بڑے

عزت و احترام سے انھیں نوازا، امیر فتح اللہ ہی نے علمائے ولایت کی کتب معقولات کو ہندوستان میں رواج دیا، آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:-

"تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث الدین منصور و مرزا جان را امیر بہ ہندوستان در حلقۂ درس انداخت"۔

محقق دوانی کے ایک اور شاگرد میر حسین میبذی تھے، انھوں نے اثیر الدین ابہری کی "ہدایۃ الحکمۃ" کی شرح لکھی تھی، جو بعد میں "میبذی" ہی کے نام سے مشہور ہو گئی، وہ خود تو ہندوستان تشریف نہیں لائے مگر ان کی "میبذی" آج تک یہاں داخل درس ہے، اور اکثر علما نے اس پر حواشی و تعلیقات لکھے ہیں،

۹- آٹھویں صدی میں تیمور برق باد بن کر اٹھا، اور ہندوستان سے روم تک تہلکہ مچا دیا، مگر باہمہ کشور کشائی و ملک گیری اس نے علم و ہنر کی سرپرستی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور سمرقند کو مجمع فضلائے دہر بنا دیا، انھیں فضلا میں علامہ تفتازانی اور میر سید شریف بھی تھے، علم و فضل کی یہ سرپرستی اس کی اولاد میں بھی باقی رہی، اس کا پوتا الغ بیگ ریاضی و ہیئت کا زبردست عالم تھا، اس نے سمرقند کی مشہور رصدگاہ "الغ بیگ" تعمیر کرائی، اس زمانہ میں معقولات کے ساتھ اعتنا عام ہو گیا تھا، اور نویں صدی میں اس کا چرچا اور بڑھ گیا، اس عہد کے خراسان و ماوراء النہر کے فضلا میں مولانا عصام الدین ابراہیم، محمد سرخ اور احمد جند وغیرہ مشہور ہیں، ماوراء النہر کے اکثر فضلا ہندوستان تشریف لائے، جیسے مولانا یونس سمرقندی جو علوم حکمیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وہ سندھ تشریف لائے جہاں مرزا شاہ حسین نے ان سے شرح مواقف پڑھی،

۹۳۲ھ میں جب بابر نے ابراہیم لودی کو شکست دے کر یہاں مغل سلطنت قائم کی تو ماوراء النہر کے علما جوق در جوق آنے لگے، عہد بابری کے مشاہیر علما میں زین الدین خوافی، مولانا

محمد سعید خراسانی، مولانا محمد سعید ترکستانی اور مولانا ابوالبقا خراسانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، مولانا محمد سعید ترکستانی معقولات میں باکمال تھے،

بابر کے بعد ہمایوں تخت نشین ہوا، جو خود ریاضی و ہیئت میں دستگاہ عالی رکھتا تھا، اور اس فن کے ماہرین کا جویا رہتا تھا، اس لیے اس نے اردبیل سے مولانا الیاس اردبیلی کو بلایا، اسی زمانہ میں ایک اور فاضل نورالدین سعیدؒ بی آئے اور بہت جلد بادشاہ کے مقرب خاص ہو گئے۔ دوسرے آنے والوں میں شیخ محمد بن علی سمرقندی اور میر عبداللطیف قزوینی مشہور ہیں، مقدم الذکر نے محمد بن محمود آملی کی "نفائس الفنون" کے انداز پر "جواہر العلوم" لکھ کر ہمایوں کے نام معنون کی،

اسی عہد میں ماوراء النہر میں کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ وہاں کے فضلائے معقولات ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئے۔ ایران جا نہیں سکتے تھے، کیونکہ سنی تھے، اس لیے ہندوستان کا رخ کیا، تیموریوں کے بعد ماوراء النہر میں اوزبک خاندان کی حکومت قائم ہوئی، خدا جانے ان کا دل علماء سے صاف نہ تھا، یا علماء و مشائخ کی چشمک تھی یا واقعی ان معقولیوں نے معقول کو نامعقول حد تک پہنچا دیا، اس لیے خواجہ عزیزان بخارائی کے ایماء سے عبداللہ خاں اوزبک نے ملا عصام الدین اسفرائینی اور ان کے تلامذہ کو توران سے نکال دیا، اور منطق و معقولات کی تعلیم پر پابندی لگا دی، بدایونی نے لکھا ہے:۔

"و باعث بر انداختن عبداللہ خاں پادشاہ توران زمین فن منطق و علم جدل را و اخراج ملا عصام الدین اسفرائینی مع جماعت طلبہ از ماوراء النہر رد و خواجہ عزیزان بخارائی شدہ بود بایں تقریب کہ چوں ایں علم در بخارا و سمرقند شائع شد جماعت شریر ہر جا صالح سلیم الطبع را میدیدند می گفتند کہ ایں حمار است چرا کہ لاحیوان از و مسلوب است و چوں انتفاے عام مستلزم انتفاے خاص است سلب انسانیت نیز لازم می آید و امثال ایں مغالطات چوں کثیر الوقوع والشیوع شد، عزیزان روایت فقہی نوشتہ عبداللہ خان را تحریص و ترغیب بر اخراج ایں جماعہ نمود و نامشروعیت تعلم تعلیم منطق و فلسفہ بدلائل ثابت کرد و نیز روایتے نمود کہ اگر بکاغذے کہ منطق در آں نوشتہ باشد، استنجا نمایند باکے نیست"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر علماء ماوراء النہر ہندوستان چلے آئے، جیسے قاضی نظام بدخشی، حافظ کو کی، مرزا مفلس اوزبک، قاضی عبدالسمیع وغیرہم،

(باقی)

عثمان مختاری

از جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانصاحب، صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد

(۲)

اسی ممدوح کا وزیر حسین حمزہ ہوگا، جسکی مدح میں مختاری کہتا ہے کہ وہ ۲½ سال (شعر ۱) سے اس کے یہاں ہے:-

بخواب دیدم دوش آں فراق یافتہ را | رخش چو چشم نژند و قدش چو زلف دوتا....

رمید ہوش مرا وید و دور رمید ز عہد | شکستہ وار بمن گفت اے شکستہ وفا

ز روز رفتن و جاے وداع یاد اندیش | فرو نگر کہ چہ گفتم ترا در آں صحرا

کہ گر بحضرت کرمان ہمی کشانی کام | مروتے کن و از بند خود بر آر مرا

کہ ہر کہ رفت بداں ملک و آں ولایت دید | ز دی دژم بودش جان و خرم از فردا....

دو سال و نیم شش مہ و سیم ایں خجستہ بنا | کہ نور چشمۂ روز است و آفتاب سہا

بلطف خویش مرا گفت پادشاہ جہاں | کہ اے گشادہ بفرمان من زبان بہ ثنا

ہمیت باز فرستم بحضرت سلطاں | مباش مشغول الا بہ بندگی و دعا

کنوں بر آنم کایں اجا شاہ برد | ز مہر و رحمت خویش صاحب دنیا

مجیر دولت و صدر ہدی ظہیر ملوک | حسین حمزہ خداوند سید الوزرا....[1]

[1] دیوان مختاری ص ۱۲ - ۱۳

ایک قصیدے میں اس کے القاب یہ آئے ہیں:-

ظہیر ملوک آفتاب خلافت | مجیر دول قطب دین پیمبر

نظام ملوک و کمال کفایت | نبات حیات و ظفر بو المظفر

حسین آنکہ عہد وزارت ز رایش | ہمی نور بخشد بہر منبر[2]

ایک اور قصیدے میں شاعر کہتا ہے:-

ابو المظفر کہ نقش اوست امن و امان | حسین حمزہ کہ از جان اوست جان امل[3]

غالباً اس کے بعد اس کا بیٹا میر محمد وزیر ہوا تھا (شعر ۳-۵)

اے کردہ بہ کرمان سخن صافی تسلیم | از نقر مصافی و از من مسلم

گفتند کہ مختاری مکرم شد و منعم | از میر محمد پسر صاحب مکرم....

باید بوزارت بہ محل پدرت کس | مرکب نشود مہتاب از گفتۂ شولم

چوں صاحب کرم نتواں شد بہ تکلف | معراج پیمبر نتواں یافت بہ سلّم

بود او پدرت صاحب مکرم تو خداوند | وز ملک ملک زود شوو صاحب اکرم

ایں مژدہ علی الحال بخوانند بہ غزنیں | در بارگہ شاہ جہاں خسرو اعظم[4]

من بشنوم ایں فضل کہ در حضرت کرمان | ہر فتح مہیا شد و ہر کام مقوم....

کرمان کے ایک خازن عضد الدین لاجین کی مدح میں بھی مختاری نے ایک قصیدہ لکھا تھا،

اے کردہ گل از سنبل پرچین تو پرچیں | روے بت چیں از پے پرچیں تو پرچیں

ہر چند کہ پیش از لب وادی تو در آفاق | رسم شکر و نحل بنود و لب شیریں

چونانکہ نبود ابر چو برق و کہ چوں باد | الا فرس خازن خورشید سلاطیں

[2] دیوان مختاری ص ۱۴۵ [3] ایضاً ص ۲۱۲ [4] ایضاً ص ۲۴۲ - ۲۴۴

کانِ کرم و بحرِ سخا و فلک فضل   عینِ دو دل و تاجِ سپاہ و عضدِ دین

لاچین کہ چو او لعب نماید بملاعب   آید اجل اندر دل اعدای ملاعین

از ہیبت محشر بہ روز قیامت   ہر خصم کہ لاشے شود از خنجر لاچین

احرار در دو تو فرستند بہ کرمان   آں روز کہ ایں شعر بخوانند بہ غزنین[1]

معلوم ہوتا ہے کہ کرمان سے مختاری سیستان گیا ہوگا کیونکہ اسی زمانے میں خلیفہ المستظہر باللہ (۴۸۷ھ - ۵۱۲ھ / ۱۰۹۴ء - ۱۱۱۸ء) تھا، جس کا ذکر حاکم سیستان تاج الدین ابو الفضل نصر بن خلف کی مدح والے قصیدے میں اس طرح ہے:-

پادشہ نصرِ خلف بو الفضل شاہ نیمروز   آنکہ ہر شب خاک درگاہش بہ علیین برند.....

شادی مستظہر و رامش مولی الملوک   ہر خبر کز رشد او بغداد تا غزنیں برند[2]

تاج الدین کی مدح میں ایک اور قصیدہ ہے:-

تو آں لبند نظر خسروی کہ قوت عدل   ز سیستان برساندہ بدریا بار

ہمی ملک ہمہ بنید بہ بیل شگفت   بیک دگر ز پس و پیش بر یمین و یسار

کہ تاجِ دین ملک نیمروز نصر خلف   بدست و تیغ جہاں را قرار داد قرار[3]

[1] تاریخ بیہقی، مجلد سوم (سعید نفیسی) ص ۱۲۷۵ - ۱۲۷۷ [2] دیوان مختاری ص ۵۱ - لیکن اس مطبوعہ دیوان اور پنجاب یونیورسٹی کے خطی نسخے میں بھی پہلے شعر کے پہلے مصرع میں ابو الفتح ہے، ہم نے عام تاریخوں کے مطابق متن میں بو الفضل لکھ دیا ہے۔ خطی نسخے میں دوسرے شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے:- شادی مستنصر است و رامش مولی الملوک، اس مصرع میں مولی الملوک سے مراد غالباً ملک ارسلان ہے کیونکہ اسکی مدح میں مختاری پہلے بھی اس طرح کہہ چکا ہے:-

خدایگان سلاطین علاء دولت و دین   نظام دنیا مولی الملوک شاہ جہاں (ص ۲۴۷)

[3] دیوان مختاری ص ۱۲۴

سیستان ہی سے اس نے ملک ارسلان کے وزیر ابو المظفر مسعود بن ابو الفتح کی مدح میں کچھ قصیدے بھیجے ہوں گے جیسا کہ اس قصیدے (شعر ۲) سے ظاہر ہوتا ہے:-

جہاں غنی شدہ گوئی ہمی بہ مختاری   ابو المظفر بو الفتح کاردان آید.....

ز بُت آمد شعر بہار و شعر خزاں   اگر خدای بخواہد ز سیستان آید

رخان و مان خود اکنوں برفت بندۂ تو   خدای داند تا کے بخان و مان آید[1]

آخری دو شعروں میں شاعر نے اپنے کنبے کا ذکر کیا ہے، جو ظاہر ہے کہ غزنیں میں چھوڑ آیا ہوگا، اسی ممدوح سے متعلق ایک قصیدے میں صراحت ہے کہ وہ غزنیں میں صدر تھے (شعر ۲-۳):-

باغ زابر آں جمال یافت کہ مسند   از سپہر کد خدای لشکر سلطان

قاعدۂ فخر بو المظفر بو الفتح   آں بشرف صدر و بدر مجلس و دیوان

مفتخر اہل علم حضرت غزنیں   سرور اہل فضل ملک خراسان.....

نامش مسعود زآفرینِ خلایق   ذاتش مقصود آفرینش انسان[2]

پھر شاعر عراق (بغداد) جاکر وہاں کے عمید رئیس (دبیر) ابو الحسن علی ابن محمد ابن حسین

[1] دیوان مختاری ص ۳۶ - ۳۷ اس میں دوسرے شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے:-

"ز پست آمد شعر بہار و شعر خزاں" لیکن میں نے متن میں اسے بدل دیا ہے۔

[2] ایضاً ۲۹۹۔ اس کی مدح میں اور بھی قصیدے ہیں صفحات ۴۸، ۹۱، ۱۰۸، ۱۱۲، ۳۰۳، ۳۴۳ دیکھیں ص ۴۴ میں اس ممدوح کے بیٹے محمد کی ولادت پر مبارکباد بھی ہے،

مختاری کے ایک قصیدے میں (۱۹۲ - ۱۹۳) احمد ابن محمد ابن اسحٰق کی مدح ہے جو خراسان میں کسی بڑے ... اور وہاں سے مختاری عراق جانا چاہتا ہے:-

مرد باید کہ اندرون قبا   ہمہ ایثار باشد و انفاق

تا چو من شاعرش لبستاید   بطریق وجوب و استحقاق

چوں ندیم خدایگان عجم   احمد ابن محمد اسحاق

چوں خراسان بماند دیگ توشد   از خراسان خبر کنم بہ عراق

کی مدح کرتا ہے :-

سعادتے چہ بزرگ ست وگوہرے چہ نفیس — ملوک را ہنرے خواجۂ عمید رئیس

ابو الحسن علی ابن محمد ابن حسین — کہ پیش رائش گردون خس ست دہر خسیس

سپہر قدرے کاندر خلافِ خدمتِ اوست — نحوستِ کیوان و سعادتِ برجیس

زہے دبیر کہ آید بجا صیت ز دولت — ز عرشِ علم چو آہن بہ سنگِ مقناطیس ...

کنوں کہ چترِ ملک سایہ گسترد بہ عراق — رہا کنند پلنگان و ہژبر آن حبیس

ائمہ را عز ز بد لہاے تست امام — ملوک را نکہت نامہاے تست انیس

میانِ رحل دبیرانِ فحل در بغداد — زنامہاے تو باشد سفینہ ہائے نفیس .....

چناں بود سخن من بمجلسِ تو کہ بود — دو خشت پیشِ سلیمان نہادن بلقیس

سہ سالہ بود بہ کرمان ندانم این کہ را — بہ ہدیہ خرما بردن خطا بود بہ خبیص[1] ....

آخری شعر سے واضح ہے کہ شاعر کرمان میں قریب تین سال رہ چکا ہے، ایک اور قصیدے میں شاعر نے اسی ممدوح کے متعلق کہا ہوگا :

امیر سید عالم کہ بر عمید در عراق — مقدم است چو بر جملۂ بروج حمل

یکے دو ماہ بفر مجالسات مرا — عزیز کرد دمرا و او بہ سپہر محل

بہشت بود مرا راحتِ افادتِ او — کز آن حیاتِ من آراستہ شدے بحلل[2]

[1] مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی، مطبوعہ نسخہ (ص ۱۶۸ - ۱۶۹) میں اشعار کم ہیں، لیکن اس کے صفحہ ۱۶۲ میں خواجہ ابو شجاع کی مدح ملتی ہے، یہ ابو شجاع ممکن ہے کہ وہی محمد بن حسین (دستور الوزراء ص ۸۸) ہو جس کو خلیفہ المقتدی باللہ (م [illegible]) نے وزیر مقرر کیا تھا، مختاری نے شاید اسی کے بیٹے ابو الحسن علی ابن محمد ابن حسین کی مدح کی ہے، ابو الفرج رونی کا بھی ایک ممدوح (ص ۱۳۰) ابو الحسن علی ہے۔ [2] دیوان مختاری ص ۲۱۸ - ۲۱۹

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ شاعر ۵۰۹ھ/۱۱۱۶ء میں رے میں تھا، پھر وہ کرمان گیا اور قریب تین سال وہاں رہا، یعنی ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء تک رہ کر وہاں سے وہ سیستان گیا اور وہ زمانہ المستظہر باللہ (م ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء) کا تھا، جس کا ذکر حاکم سیستان کی مدح والے قصیدے میں ہم دیکھ چکے ہیں، سیستان سے عراق غالباً المسترشد باللہ (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۵ء) کے زمانۂ خلافت کے اوائل میں گیا ہوگا، اور بہت ممکن ہے کہ وہیں سے حج کے لیے بھی گیا ہوگا، بہرحال وہاں سے واپسی پر اور غالباً ۵۲۰ھ کے قریب اس نے خاقان ماوراء النہر ارسلان خان محمد بن سلیمان بن داؤد بن بغرا خاں کی مدح میں یہ قصیدہ بھیجا ہوگا :-

خرگہِ خاقانِ ترکستان شہِ مالک رقاب — آسمان است و جمال ارسلان خان آفتاب ....

از تکلف دور بزم خسرو عالی جناں — کز بہشت آں بزم را اکنوں بہشت آمد خطاب

احضر دیدار سید صاحب، رود و سرود — مختصر تماج و بغراخانی و جام شراب

ساقیانِ نادرہ گوینده و شیریں ادا — مطربانِ چابک و طمغاجی و حاضر جواب

بندہ مختاری اگر تشریفِ مجلس یافتے — جاں برافشاندے و بودے از فروغش کامیاب

گرچہ اندر آرزوے خدمتِ ایں مجلس اند — پادشاہانے کہ اختر بوسد ایشاں را رکاب

تا جہاں باشد محمد خاں علاء الدولہ باد — بزم خواہ و بادہ نوش و رزم جوی و فتح یاب[1]

[1] دیوان مختاری ص ۱۸ - ۱۹، لیکن ہم نے سعید نفیسی کے حواشی (تاریخ بیہقی مجلد سوم ص ۱۲۷۹) کی قرأت کو مقدم رکھا ہے، سعید نفیسی نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ آخری شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ارسلان خاں محمد کا بیٹا علاء الدولہ محمد تھا، لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ سعید نفیسی نے صفحات ۱۲۹۱ - ۱۲۹۳ میں اسی ارسلان خان کا لقب اور کنیت (معزی کے حوالے سے) علاء الدین ابو الفتح لکھی ہے اور قدر خاں بھی۔ یہی وہ حکمران تھا، جس کو ملک شاہ اور سنجر نے بھی شکست (ص ۱۲۹۱) دی تھی،

پانچویں شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ قصیدہ خود پیش نہیں کیا، بلکہ بھیجا ہے، ارسلان خاں محمد جو طمغاج خاں بھی کہلاتا تھا،[1] ۴۹۵ھ میں حکمراں ہوا تھا، پھر ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء سے ۵۲۶ھ/۱۱۳۲ء تک سنجر کی قید میں رہا،[2] یعنی ۵۲۴ھ سے پہلے مختاری نے یہ قصیدہ لکھا تھا، غالباً اسی طمغاج خاں کے صدر شرف الملک کی مدح میں مختاری کہتا ہے:-

از درج دُرِ عمانی تا قیمتِ صدف
بیش است در جہان شرف الملک را شرف.....

صدرِ ملوک را لطف است از چو تو رسول
خاکِ بلاد را شرف است از چو تو خلف.....

بر خیرہ نیست، ملکِ سمرقند از او شریف
بیہودہ نیست شاہ جہاں را بر او صلف

من در عراق و کرمان بسیار دیدہ ام
ہر ساعتے بہ بذلہ او فرح را شغف

ہرگز چو او ندیدم کافزوں ہمی بود
احرار نغز بذلہ و انفاس پر طرف.....

ای پیشوائے دولتِ طمغاج خاں برائے
دے پیش گاہ زمرۂ آزادگاں بکف[3]

[1] ترکستان (بارتولڈ) ص ۳۱۹ ح۔ مقدمۂ دیوان مختاری ص ۷۰۔ طمغاج دراصل ترکستان کے ایک شہر کا نام ہے، (بارتولڈ ص ۳۹۷) پھر طمغاج خاں (= خانِ طمغاج) ایک لقب ہو گیا، بغرا خاں اور اس کے اخلاف و اعزاء میں کئی کا یہ لقب تھا (بارتولڈ ص ۳۰۴، ۳۲۴-۳۲۳ ح۔ ۳۳۳ وغیرہ)
[2] حواشی تاریخ بیہقی۔ مجلد سوم ص ۱۲۷۹، لیکن بارتولڈ (ترکستان ص ۳۲۱) نے لکھا ہے کہ وہ ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء ہی میں فوت ہو گیا تھا۔
[3] دیوان مختاری ص ۱۸۵-۱۹۰، لیکن آخری شعر اس میں نہیں ہے، جو قلمی دیوان پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہے۔ حواشی تاریخ بیہقی (مجلد سوم ص ۱۲۹۳) میں ہے کہ معزی نے ایک قصیدہ طمغاج خاں ارسلان خاں محمد بن سلیمان کو کسی شرف کے توسط سے پیش کیا تھا، ممکن ہے کہ وہ یہی شرف الملک ہو جس کی مدح میں مختاری کے اشعار ہیں۔

طمغاج خاں کا ایک وزیر نظام الملک علی خطیبی تھا، جس کی مدح میں مختاری کہتا ہے:-

خدای داد دو ملکِ تمام را دو نظام
یکے جلالِ وزیران یکے رضیِ امام

یکے بخدمتِ سلجوقیاں رسیدہ بفر
یکے بخدمتِ طمغاج خاں رسیدہ بکام

ہمیشہ ملکِ خراسان و ما وراء النہر
ز بو علی بہ نظام آمدہ و علی نظام

بداں ستودہ ہمہ دودۂ سحاقی فخر
وزیں گرفتہ ہمہ گوہر خطیبی نام[1]

یہاں دو نظام مذکور ہیں، ایک نظام الملک ابو علی حسن (بن ابو الحسن علی بن اسحٰق) طوسی (وزیر الپ ارسلان و سنجر، المتوفی ۴۸۵ھ) اور دوسرا یہ نظام الملک علی خطیبی جو طمغاج خاں کا وزیر تھا۔

ایک اور وزیر فخر الدین سعد الملک خواجہ عبد السید کی مدح بھی ملتی ہے، جو ترکستان کے اسی ممدوح سے متعلق ہو گا:-

ماہ ترکستان طراز از مشک بر عینا کشید
مشک و دیبا را بقدر قیمتِ اعلا کشید.....

ایں غزل چنداں سعادت یافت کو را از پئے فخر
پیش سعد الملک فخر الدین والدنیا کشید

خواجہ عبد السید آں دریا کہ وصفِ دستِ او
در قلادہ خاطرِ من لولوی لالا کشید.....

کوہ نتواند کشید آں بار کاندر ہفت سال
در مہم ملکِ خاقاں رای مولانا کشید

او بروں آورد از آہن چتر ملک شاہ اگر
فی المثل سیمرغ بود فہم شاہ آنجا کشید[2]

[1] دیوان مختاری ص ۲۴۵-۲۴۶ لیکن آخری تین اشعار قلمی دیوان پنجاب یونیورسٹی سے لیے گئے ہیں، طمغاج خاں کی مدح میں ایک اور قصیدہ حواشی تاریخ بیہقی (مجلد سوم ص ۱۲۰۸) میں ہے، [2] قلمی دیوان، پنجاب یونیورسٹی، مطبوعہ دیوان مختاری (ص ۴۲) میں پانچویں شعر کا پہلا مصرع نہیں ہے اور چوتھے شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے:-
کوہ نتواند کشید آں بار کاں ہفتاد سال ــــ یہاں ہفتاد سال صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ارسلان خاں محمد ۴۹۵ھ سے ۵۲۴ھ تک حکمراں رہا تھا،

پھر حسن تکین (قلیچ طمغاج خاں ابو المعالی حسن بن علی بن عبد المومن) کی مدح میں بھی ایک قصیدہ ہے جو ارسلان خان محمد کی قید کے زمانے میں (۵۲۴ھ تا ۵۲۶ھ) سمرقند کا حکمراں تھا:۔

ہم خانِ ترک از بسر اندر کشیدہ ترک	ہم شاہِ چیں از او بہ رخ اندر فگندہ چین .....
گفتم کہ آں سپہر نوال از قیاس ہست	دستِ شہابِ دولت عالی ملک تکین [1]

اس ممدوح کی مدح سے ظاہر ہے کہ مختاری ۵۲۵ھ کے قریب ضرور سمرقند رہا ہوگا،

ایک ممدوح "سید کتاب" اسحٰق معمر بھی ہے جو خان سمرقند کے یہاں ہوگا:۔

چیست آں دریا کہ چوں پر گشتش از گوہر دہاں	زرد روئی برگرفت و راز کلی پرنیاں .....
آنچہ او در بحر بستاں باصدف کردہ ست و گل	اندریں ملک از کفایت باخرد کردہ ست خال
نظم و نثر قبلۂ احرار و صدرِ روزگار	دست و ملکِ سید کتاب و فخرِ دودماں
نور ملک اسحٰق معمر زین دیں معمار فضل	آنکہ ز دعمر ہنر معمور شد تا جاوداں [2]

بعض ممدوح اور بھی ہیں، جن کے متعلق تحقیق نہیں ہو سکی مثلاً محمد بن عبد السلام (ص ۳۸) ابو منصور مستوفی (ص ۱۰۱) عثمان عبد اللہ اسمٰعیل (ص ۱۰۳) شاہ عبید اللہ ابو طاہر (ص ۱۶۰) جلال ملت (ص ۲۷۹) مسعود خسرو شاعر (ص ۱۰۲) خواجہ اسعدی شاعر (ص ۳۰۹) حسن خزانہ دار (ص ۳۶۶) وغیرہ وغیرہ [3]

---

[1] دیوان مختاری ص ۲۸۲ - ۲۸۳ [2] ایضاً ص ۲۸۶ - ۲۸۷، حواشی تاریخ بیہقی (مجلد سوم ص ۱۲۷۰) میں مختاری کا ایک قصیدہ ایک اور سید الکتاب طمغاج خاں محمود کے متعلق ہے:۔

سدید دولت طمغاج خاں مؤید ملک	عمید مطلق محمود سید الکتاب

پنجاب یونیورسٹی والے مخطوطے میں بھی یہ قصیدہ ہے، حواشی تاریخ بیہقی (ایضاً ص ۱۲۷۲) کے مرتب کا خیال ہے کہ یہ محمود شاید دربار سلجوقی سے متعلق ہوگا [3] فہرست برٹش میوزیم (ج ۲ ص ۵۴۲ - ۵۴۳) میں مثنوی شہریار نامہ کا

(باقی ص ۱۲۹ پر)

جامعۂ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) کے مخطوطہ نمبر ۸۷۰ کے ورق ۳۳۲ (الف) میں شاہ طغاں خاں کی مدح میں بھی اشعار ملتے ہیں:۔

بجاہ شاہ طغاں خاں کواکب گردوں	شدند کوکب رایات صاحب میموں
ببعی او ست زدہ تکیہ بر سریر سرور	شہے بہ مہر فریدون و فر افریدون

لباب الالباب (جلد اول ص ۵۴) میں اسے ینغو ملک [1] (برادر چغری و طغرل سلجوقی) کا خسر کہا گیا ہے، یعنی وہ پانچویں صدی ہجری کے وسط میں رہا ہوگا، اگر یہ اشعار مستند ہیں [2] تو پھر عثمان مختاری کی شاعری کا زمانہ بہت طویل قرار پائے گا یعنی ۴۴۵ھ سے ۵۲۵ھ تک۔ اور یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کارنامۂ بلخ (عشق نامہ) کی تصنیف کے وقت یعنی ۴۹۵ھ میں سنائی نے اسے جوان کہا تھا (آں جوان لطیف دیداری)۔ بہر حال ۴۸۰ھ سے پہلے اور ۵۲۵ھ کے بعد اس شاعر کا کوئی کلام متحقق نہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس (۵۲۵ھ) کے بعد ہی اس کا انتقال ہوا ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸) ذکر ہے کہ وہ مختاری سے منسوب کی جاتی ہے، اور وہ کسی مسعود شاہ ابن محمود شاہ کے لیے لکھی گئی تھی، لیکن چونکہ اس فہرست کے مرتب کو بھی اس کے انتساب پر شبہہ ہے اس لیے ہم بھی مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

[1] لباب الالباب میں ینغو ملک ہے لیکن "وزارت در عہد سلاطین بزرگ سلجوقی" (عباس اقبال ص ۱۱) میں اسے بیغو اور جبغو کہا گیا ہے۔ [2] جامعہ عثمانیہ کے اسی مخطوطے کے ورق ۳۳۹ (الف) میں کچھ اشعار ہیں جو عثمان مختاری نے ۷۵ سال کی عمر میں اپنے بیٹے محمد کے انتقال پر لکھے ہوں گے:۔

اے محمد بدست و خنجر تو	کہ مرا خنجر غم تو بخست
بندہاے تنم ز ہم بشکست	رنجہاے دلم بہم پیوست
تجر درسی و پنج من در زد	ضعف پنجاہ و ناتوانی شصت

عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات

از

جناب قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اڈیٹر البلاغ. بمبئی

(۲)

خطی اور سمہری یعنی ہندوستانی نیزے عرب میں ہندی تلواروں کی طرح ہندی نیزے بھی بہت مشہور تھے، جو عموماً عمان سے لیکر بحرین تک کے علاقہ میں تیار کیے جاتے تھے، جسے خط کہتے تھے، اسکے لیے سندھ، گجرات اور بھروچ سے بانس اور بید آتے تھے، پھر ان کو یہاں نیزے کی شکل دیجاتی تھی، خطی اور سمہری نیزے خالص ہندوستانی لکڑی کے بنتے تھے، لسان العرب میں ہے:

وقد کثر مجیئها فی اشعارها   اشعار عرب میں اس کا ذکر بہت کثرت سے آیا ہے

ابو زبید طائی (حرملہ بن منذر) نے لکھا ہے:-

مسنفات کانهن قنا الهند   لطول الرجیف جذب المرود [۱]

چارہ ڈھونڈنے والے کے دیر کرنے کی وجہ سے اونٹنیاں اس طرح جکڑی ہوئی تھیں جیسے ہندستان کے بانس باندھے ہوئے ہیں.

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

وهل ینبت الخطی الا وشیجة   ویغرس الا منا بتها النخل [۲]

خطی نیزہ سے نیزہ ہی اگتا ہے اور کھجور کے درخت نخلستان میں لگائے جاتے ہیں،

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۱۹۲ [۲] لسان العرب ج ۹ ص ۱۹۰

حاتم طائی نے کہا ہے:-

سأذخر من مالی دلاصا وسابحاً   وأسمر خطیا وعضباً مهنداً [۱]

میں اپنے مال میں سے عمدہ عمدہ زرہیں، پکے رنگ کے خطی نیزے اور تیز ہندی تلوار محفوظ رکھوں گا.

ابو عطاء سندھی نے کہا ہے:-

ذکرتك والخطی یخطر بیننا   وقد نهلت منا المثقفة السمر

میں نے تم کو ایسے نازک وقت میں بھی یاد کیا ہے جبکہ میدان جنگ میں خطی نیزے جانبین سے گذر رہے تھے اور سرخ رنگ کے مضبوط نیزے ہمارے خون سے سیراب ہو رہے تھے،

فضل بن عبد الصمد نے کہا ہے:-

انعت قوسا ذی انتقاء   جاء بها جالب بروصاء

اس صاف ستھری کمان کی میں نے تعریف کی ہے جسے بھروچ سے منگانے والے نے منگایا ہے،

نیز اسی نے کہا ہے:-

من شفق خضر بروصیات   صفر اللحاء والخلوقیات

زرد، سبز بھروچی بانس جن کے چھلکے بھی زرد ہیں

مشک مشک ہندوستان کی مشہور خوشبو ہے، جو یہاں کے مختلف مقامات سے عرب میں جاتی تھی، عرب میں اس کی خاص منڈی بحرین کی بندرگاہ دارین تھی، اسی لیے مشک کا دوسرا نام داری پڑ گیا تھا،

مشہور عربی شاعر امرء القیس نے اپنے معلقہ میں کہا ہے:-

اذا قامتا تضوع المسك منهما   نسیم الصبا جاءت بریا القرنفل

جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی مہک اس طرح پھیلتی ہے جیسے نسیم صبح لونگ کی خوشبو لیکر آتی ہو

---

[۱] دیوان حاتم ص ۸۳ طبع بیروت

نابغہ ذبیانی نے اپنے ممدوح نعمان بن منذر شاہ حیرہ کی تعریف میں یہ دعائیہ شعر کہا ہے:۔

وتسقی اذا ما شئت غیر مصرد ... بزوراء فی حافاتها المسک کارع

جب تم ارادہ کرو تو پوری طرح سیراب کیے جاؤ، زوراء کے محل میں جس کے شراب خانوں میں مشک تمھارا استقبال کرتا ہے

نابغہ جعدی نے کہا ہے:۔

ألقی فیه فلجان من مسک دا ... رین من فلفل حرم

اس نے دارین کے مشک اور تیز خوشبو کی مرچ کی ملاوٹ کی

ایک اور شاعر نے کہا ہے:۔

سائم نودی راسه مسبخلة ... جری مسک دارین الأحم خلالها

اس کے سر کے اطراف میں دارین کے بہترین مشک کی ابتات ہے۔

فرزدق نے کہا ہے:۔

کان تریکة من ماء مزن ... وداری الذکی من المدام

گویا صاف وشفاف پانی اور دارین کے بہترین مشک کی شراب کا چشمہ ہے،

کثیر نے کہا ہے:۔

افید علیها المسک حتی کانها ... لطیمة داری تفتق فارها [1]

اس پر مشک یوں لگایا گیا ہے جیسے وہ دارین کے مشک سے لدی ہوئی اونٹنی ہے جس کا نافہ اپنی خوشبو پھیلا رہا ہے،

اعشی نے اپنی محبوبہ کے لعاب کی لذت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:۔

کان القرنفل والزنجبیل باتا بفیها واریا مشورا [2]

شہد کی مٹھاس کے ساتھ گویا لونگ، اور سونٹھ دونوں نے اس کے منہ کے اندر مشک داری میں رات بسر کی ہے

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۵۲ [2] ایضاً ج ۱۱ ص ۱۳۳

جران العود نے کہا ہے:۔

لقد عاجلتنی بالسباب وثوبها ... جدید ومن اردانها المسک تنفح

اس نے مجھے برا بھلا کہنے میں اسقدر جلدی کی کہ ابھی اس کے عروس کے کپڑے نئے تھے اور اسکی آستینوں سے مشک کی خوشبو آرہی تھی،

رؤبہ نے کہا ہے:۔

ان تشف نفسی من ذبابات الحسک ... أحر بها أطیب من ریح المسک [1]

اگر میری روح برچھیوں کی دھار سے شفا پائے تو پھر اس کے لیے مشک سے بھی اچھی خوشبو مناسب ہے

فارۃ المسک یعنی نافۂ مشک کا تذکرہ ایک شاعر نے یوں کیا ہے:۔

لها فارة ذفراء کل عشیة ... کما فتق الکافور بالمسک فاتقه

اس کے لیے ہر شام نافہ کی ایسی خوشبو ہے جیسے کسی نے کافور کو مشک کے ساتھ ملاکر خوشبو اڑائی ہے،

نابغہ بنی شیبان نے کہا ہے:۔

اذا ما جری الجادی فوق متونها ... ومسک ذکی جففتها المجامر

جب زعفران اور مشک اس پر بہ پڑتے ہیں تو انگیٹھیاں ان کو ٹھکانے لگاتی ہیں،

قد عبق العبیر بها ومسک ... یخالطه من الهندی عود

اس کے جسم زعفرانی پر خوشبو اور عود ہندی میں ملا ہوا مشک لپٹا ہوا ہے،

کان علی انیابها بعد هجعة ... صبابة ماء الثلج بالعسل المحض

فلما عتا ینفح المسک جیبها ... اذا انفضت کادت تمیل من البهض

بیداری کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبوبہ کے دانت پر برف پانی کے قطرے ہیں جو خالص شہد لیے ہوئے ہیں اور جب جب وہ ہمارے سامنے آتی ہے تو اس کے گریبان سے مشک جھڑتا ہے اور جب اٹھنا چاہتی ہے تو نزاکت کی وجہ سے اسمیں لچک پڑجاتی ہے۔

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۸۷

بشر بن ابی حازم نے کہا ہے:-

فقد ادنرن من قسط ورند   ومن مسک اجم ومن سلاح

وہ کشتیاں قسط، خوشبو، مشک اور سامان جنگ بہت زیادہ لائی ہیں،

یزید بن قیس کلابی نے عہد فاروقی کے ایک عامل کی شکایت کرتے ہوئے کہا ہے:-

اذا التاجری الهندی جاء بفارۃ   من المسک ضحت فی سوالفهم تجری [1]

جب ہندوستانی تاجر نافہ مشک لاتا ہے تو ان کی گردنوں میں گویا خوشبو کا دریا بہنے لگتا ہے

فتوح البلدان میں اذا التاجر الداری ہے [2]

عود — عود (اگر) ہندوستان کی مشہور لکڑی، اور عربوں کی مرغوب ترین خوشبو ہے، اس کو عود ہندی، عود صنفی، عود قماری، عود مندلی، عود کلبی کے ناموں سے یاد کرتے ہیں، بلکہ کبھی صرف ہندی، قماری اور مندلی کی نسبت سے عود مراد لیتے ہیں، عدی بن رقاع نے لکھا ہے:-

سب نار بت ارمقها   تقضم الهندی والغارا

ایسی آگ کو دیکھ دیکھ کر میں نے رات بسر کی ہے جو عود ہندی اور غار کے درخت کو کھائے جا رہی تھی،

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:-

قد عبق العبیر بها ومسک   یخالطه من الهندی عود

اس کے جسم پر زعفرانی خوشبو اور عود ہندی میں مخلوط مشک لپٹا ہوا ہے۔

عمرو بن طنابہ جاہلی کہتا ہے:-

اذا ما مشت نادی بما فی ثیابها   ذکی الشذا والمندلی المطیر

جب محبوبہ چلتی ہے تو اس کے حسن کی منادی تیز خوشبو اور اڑنے والی مندلی عود کیا کرتی ہے،

---

[1] الاصابہ ج ۱ ص ۱۹۸ وایضاً ج ۳ ص ۶۳۶ [2] فتوح البلدان ص ۳۷۷

ابراہیم بن علی ابن ہرمہ نے کہا ہے:-

کأن الرکب اذ طرقتک باتوا   بمندل او بقارعتی قمارا

اہل قافلہ جب رات کو تیری طرف پہنچے تو تیری ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے وہ مندل یا قمار میں ہیں،

کافور — کافور عربی زبان میں کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے، کافور، قفور اور قافور، یہ ہندی کے لفظ کپور کا معرب ہے، یوں تو کافور عرب کے ہر بڑے بازار میں فروخت ہوتا تھا، لیکن دارین جس طرح ہندی مشک کی بہت بڑی منڈی تھا، اسی طرح کافور کا بازار بھی تھا، اور یہیں سے دوسرے علاقوں میں کافور جاتا تھا،

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:-

کأن رضاب المسک فوق لثاتها   وکافور داری وراح تصفق

اس کے مسوڑھوں کے اوپر گویا دارین کا کافور اور شراب دونوں مل رہے ہیں۔

داری کی تشریح حاشیہ میں یوں ہے:-

الداری العطار منسوب   داری عطر فروش ہے، دارین کی طرف منسوب
الی دارین وهی فرضة بالبحرین   ہے جو بحرین کی بہت بڑی بندرگاہ ہے، وہاں
یحمل الیها المسک من الهند [1]   پر ہندوستان سے مشک لایا جاتا ہے،

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:-

لها فارۃ ذفراء کل عشیة   کما فتق الکافور بالمسک فاتقه

اس کے لیے ہر شام نافہ مشک کی خوشبو ہوتی ہے، جیسے کسی نے کافور اور مشک ملا کر خوشبو اڑائی ہو

نیز نابغہ شیبانی نے کہا ہے:-

---

[1] دیوان النابغۃ بنی شیبان ص ۱۰

شیبت بکافور دماء قرنفل — دبماء موهبة یسحو فدامها

وہ کافور، لونگ کے پانی اور شیریں پانی میں ملائی گئی ہے اور ڈھکن کے اوپر سے بہ رہی ہے

کأن مدامةً ورضاب مسک — وکافوراً ذکیا لم یغش

وہ گویا شراب اور مشک محلول، اور تیز خوشبو کا کافور ہے جس میں ملاوٹ نہیں کی گئی ہے۔

زنجبیل | زنجبیل ہندی زنجابیر کا معرب ہے، جس کے معنی سونٹھ کے ہیں، اسے عرب خشک اور تر دونوں طرح سے استعمال کرتے تھے۔ اور اس کی خوشبو ان کے یہاں بہت مرغوب و مشہور تھی، لسان العرب میں ہے:-

والعرب تصف الزنجبیل — عرب سونٹھ کی خوشبو کی تعریف کرتے ہیں

بالطیب وھو مستطاب عندھم — اور وہ ان کے یہاں بہت ہی مرغوب

جداً — اور پسندیدہ ہے،

اعشیٰ کا یہ قول گذر چکا ہے:-

کأن القرنفل والزنجبیل باتا بفیها داریا مشوراً

اس کے لعاب دہن کی لطافت و نکہت کا حال یہ ہے کہ جیسے اس کے منہ کے اندر، شہد کے ساتھ لونگ اور سونٹھ نے مشک داری میں رات گذاری ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:-

وزنجبیل عاتق مطیب[1]

سونٹھ ملی ہوئی پرانی خوشگوار شراب

قرنفل | قرنفل (لونگ)، کو عرب قرنفول بھی کہتے ہیں، یہ کرن پھول کا معرب ہے، عربی ادبیات

[1] لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۱۳

میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے، لسان العرب میں ہے:-

وقد کثر فی کلامهم واشعارهم — اس کا تذکرہ کلام عرب میں کثرت سے آیا ہے،

چنانچہ ایک شاعر نے کہا:-

وبابی ثغرک ذاک المعسول — کأن فی أنیابه القرنفول

میں اس شیریں دہن پر قربان جاؤں، جس کے دانتوں میں گویا لونگ ہے جس کی خوشبو پھیل رہی ہے،

ایک اور شاعر نے کہا:-

وخودة اناة کالمهاة عطبول — کأن فی انیابها القرنفول[1]

وہ نیل گاؤ کی طرح سیاہ آنکھوں والی نازنین جس کے دانتوں میں گویا لونگ خوشبو لیے ہوئے ہے،

امرء القیس نے کہا ہے:-

اذا قامتا تضوع المسک منهما — نسیم الصبا جاءت بریا القرنفل

جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی خوشبو پھیلتی ہے گویا نسیم صبح لونگ کی خوشبو لائی ہے،

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:-

من الخضرات خلت رضاب فیها — سلافة قرقف شیبت بمسک

باحیا دوشیزاؤں کے لعاب دہن ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ لونگ کی شراب ہے جس میں مشک ملا ہوا ہے۔

فلفل | فلفل پپالا یا پیپالا (مرچ) کا معرب ہے، عربی میں اس سے صیغے بھی بنائے گئے اور مفلفل اس چیز کو کہتے ہیں جس میں فلفل کی خوشبو ملائی گئی ہو، لسان العرب میں ہے:-

[1] لسان العرب ج ۱۴ ص ۵۵۶

وقد کثر مجیئه فی کلامهم[1] اس کا تذکرہ کلام عرب میں کثرت سے آیا ہے

چنانچہ امرء القیس نے کہا ہے:-

کأن مکاکی الجواء غدیة صبحن سلافاً من رحیق مفلفل

مقام جواء کی مرغابیاں ایسی حواس باختہ تھیں گویا ان کو مرچ ملی ہوئی بہترین صباحی پلائی گئی ہے،

ساج ساج (ساگوان)، ہندوستان کی بہترین عمارتی لکڑی ہے، جو قدیم زمانہ سے عرب میں استعمال ہوتی تھی، اور بڑی مقدار میں یہاں سے جاتی تھی، جس سے دروازے، کواڑ، ستون اور چھت وغیرہ بنانے میں کام لیا جاتا تھا، عام طور سے ہندوستان سے اس کی بلیاں عرب جاتی تھیں جن کو حسب ضرورت کاٹ لیا جاتا تھا، اس سالم بلی کو عرب ساجہ کہتے تھے، یہ لکڑی عام طور سے کوکن کے علاقہ سے بھیجی جاتی تھی،

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:-

وقبة لا تکاد الطیر تبلغها اعلی محاریبها بالساج مسقوف[2]

اس قبہ کی بلندی کو پرندے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی سب سے اونچی محرابیں ساگوان کی چھت بنی ہے۔

احادیث میں ساج کا ذکر آیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بنا ہوا سامان استعمال فرمایا ہے،

قسط قسط کا لفظ ہندی کُٹھ کا معرب ہے۔ اسے کُت اور کُسط بھی کہتے ہیں، یہ ہندوستان کی مشہور دوا ہے، جو عرب میں بہت مشہور تھی، اور مختلف بیماریوں میں استعمال کی جاتی تھی،

بشر بن ابی حازم نے تجارتی کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:-

---

[1] لسان العرب ج ۴ ص ۵۳۲ [2] دیوان نابغہ بنی شیبان ص ۵۳

فقد اوقرن من قسط و رند ومن مسک اجم ومن سلاح

یہ کشتیاں بھاری مقدار میں قسط، عود، مشک اور اسلحہ لائیں۔

احادیث میں قسط ہندی کے بڑے فضائل و فوائد آئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال کی تاکید فرمائی ہے،

داذی داذی ہندی لفظ تاڑی کا معرب ہے، اگرچہ تاڑی عرب میں بھی ہوتی تھی، لیکن ابن خرداذبہ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند سے بھی تاڑی عرب میں جاتی تھی، ایک شاعر نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:-

شربنا من الداذی کأننا ملوک لنا بر العراقین والبحر

ہم نے یوں تاڑی پی کر نشہ میں بادشاہ بن گئے اور عراق وعرب وعراق عجم اور سمندر ہمارے قلمرو میں آگئے۔

اسود بن کریمہ نے کہا ہے:-

قد حسا الداذی صرفاً

اس نے خالص تاڑی خوب سیر ہو کر پی

ہند وعرب کے تجارتی تعلقات پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، مگر ہمارے موضوع کے سلسلے میں اس وقت اتنا ہی کافی ہے، بلکہ زائد ہے،

اثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

بنام

مولانا سید سلیمان ندویؒ

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہندوستان و بیرون ہند کے بہت سے علماء و مشاہیر کے خطوط کا بڑا ذخیرہ دار المصنفین میں محفوظ ہے، یہ خطوط مختلف النوع معلومات و مسائل پر مشتمل ہیں، ان کا مجموعہ شائع کرنے کا خیال ہے، مگر ابھی اس میں عرصہ لگے گا، اسلیے افادہ اور دلچسپی کے لیے معارف میں بھی انکی اشاعت مناسب معلوم ہوئی، اور اس کا آغاز مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط سے کیا جاتا ہے۔ "م"

۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ

بارہ بجے شب، حیدر آباد دکن

سیدی و سید المسلمین حیاکم اللہ و ابقاکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مضمون کے روانہ کرنے کے بعد انتظار جواب کے یہ دن مجھ پر سخت گذرے، دل دھڑک رہا تھا کہ خدا جانے آپ پسند بھی فرماتے ہیں یا نہیں، زیادہ تر اپنی اسی دیوانگی سے اندیشہ تھا، جس کی

جذب تعبیر آپ حضرات وجد و رقص سے فرمایا کرتے ہیں، مشاغل کی وجہ کی کثرت میں اتنا بھی جو بن پڑا وہ محض خدا کا فضل تھا، جواب میں جوں جوں تاخیر ہوتی جاتی تھی، گمان ظن بلکہ سوء ظن کی شکل اختیار کرتا چلا جاتا تھا کہ پرسوں گرامی نامہ نے بحمد اللہ اضطراب کو سکون سے بدل دیا، اب اس کی پروا نہیں ہے کہ دنیا پسند کرے گی یا نہیں، آپ حضرات کی توثیق میرے لیے کافی ہے، مجھے اس کا بھی ڈر تھا کہ شاید آپ کے مافی الضمیر کے سمجھنے میں تو مجھ سے کوتاہی نہیں ہوئی ہے، جہاں تک گرامی نامہ سے میں سمجھا ہوں، شاید ایسا نہیں ہوا ہے۔

ایک اور بات کا بھی کھٹکا تھا، یعنی جھونک میں کوئی ایسی عبارت تو نکل نہیں آئی کہ بجائے واقعی توصیف کے اطراء اور غلو کا میں مرتکب ہو گیا، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ قلم کو میں نے سنبھال سنبھال کر چلایا ہے، جو کچھ لکھا ہے، وہ میرے دل کے واقعی جذبات ہیں، ریائی گفتگو نہیں ہے، بہرحال اب جو کچھ بن پڑا وہ پیش کر دیا، آپ کے حقوق مجھ پر بہت زیادہ ہیں، بقول آپ ہی کے کہ "الندوہ" کی راہ سے اپنی طالب العلمی کے زمانہ میں بہت کچھ شعوری و غیر شعوری طور پر استفادہ کرتا رہا ہوں، اور میں اپنے لیے اس میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے مستفیدین میں شمار فرمائیں، شاید ان حقوق کا کوئی حصہ اس ذریعہ سے ادا ہو گیا، اور واقعہ تو یہی ہے کہ مادحِ خورشید مداحِ خود است مور ضعیف کو اچھا موقعہ ملا کہ سلیمان کے تخت کے ساتھ لٹک کر اسے بھی ایک گونہ بلندی میسر آئی، حسب الحکم ایک اجمالی فہرست کتاب کی مرتب کر کے بھیج رہا ہوں، میرے پاس مسودہ نہیں ہے، وہی مبیضہ تھا اور وہی مسودہ، جو کس طرح ملے گا، اب اس وقت میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا، بہرحال کسی طرح اس کو چھپا دیجئے، ضرورت اس کی واقعی شدید تھی، میرا خیال ادھر نہیں گیا تھا۔

ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اگر بہار مدرسہ بورڈ کا جلسہ ممکن الوقوع ہو تو

یہ آپ کے اختیار کی بات ہے، کہ دسمبر میں مجھے ۲۱ دنوں کی تعطیل جو ملتی ہے، اس کی مدت اور بڑھا دیں
میرا مطلب یہ ہے کہ دیوبند میں بھی اسی زمانہ کے قریب قریب مجلس شوریٰ کا اجلاس ہے، اگر آپ ۷ر دسمبر
کو جلسہ کی تاریخ مقرر فرمائیں تو میں دیوبند ہوتا ہوا پٹنہ، اور پٹنہ سے گھر چلا جاؤں گا، دیوبند بھی
تاریخ کے بدلنے کے لیے لکھ رہا ہوں، وہاں ۲۸، ۲۹ نومبر کو جلسہ ہے، لیکن ۳۰ر نومبر کو ہمارے کالج
کی جدید عمارت کا افتتاح خود اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ فرمانے والے ہیں، بحیثیت صدر شعبۂ دینیات
ہونے کے ایسے موقعہ پر اپنے غائب ہونے کو مناسب خیال نہیں کرتا، ۳۰ر نومبر کو یہاں سے فارغ ہو کر
میں ۳ر دسمبر تک دیوبند پہنچ سکتا ہوں، اور ۳، ۴، ۵ر تک وہاں ۷ر کو پٹنہ ۱۵ر دسمبر سے
میرا کالج ۲۱ر دن کے لیے بند ہو رہا ہے۔ یہ ہے پروگرام، اس میں میرا مالی نفع بھی ہے، اور ایک
ہفتہ گھر میں رہنے کے لیے بھی انشاء اللہ تعالیٰ مل جائے گا، میں دیوبند بھی لکھ رہا ہوں کہ تاریخ بدل دیں،
نجم الہدیٰ سلمہٗ نے لکھا ہے کہ تاریخ کا تعین آپ کے اختیار میں ہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

ہاں صاحب یہ ندوہ کے قیام کا کیا افسانہ ہے، اخباروں میں بڑے دھوم دھام سے اعلان
ہوا، حیدرآباد کے اخباروں میں براہ راست ڈاکٹر صاحب کا مژدہ چھپا، لیکن سن رہے ہیں کہ واقعہ
اتنا ہی بہت کم ہے، آخر مطلب کیا تھا؟

۱۴ر اکتوبر ۳۹ء

سیدی و سید الہند[۱] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

لیجیے جناب اما ھذا فقد قضی ما علیہ "حق تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ ایفاء عہد کی
اس نے توفیق آسان کی، مضمون بھیج رہا ہوں، میں نے اپنا کام کر دیا، اب آپ کو پسند آئے یا نہ آئے،

---

[۱] آخر شیخ جب ہیں تو سید کیوں نہ ہوں،

اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اتنی محنت زندگی میں کسی مضمون کے لکھنے میں
مجھے اٹھانی نہ پڑی، آپ کو کیا معلوم کہ حیدرآباد میں کن لایعنی مشاغل میں زندگی بسر ہوتی ہے،
کہاں دار المصنفین کی بامعنی اور پاکیزہ زندگی اور کہاں دکن کی لایعنیاں، خیر، جو کچھ ہو سکا
وہ یہی تھا، خدا کرے کہ آپ پسند فرمائیں، تو میری محنت ٹھکانے لگے، اس سے زیادہ کچھ
مطلوب نہیں، مبیضہ کسی کاتب سے چاہا کہ تیار کرا کے بھیجوں لیکن اس نے پندرہ دن کی
مدت چاہی، آپ کے انتظار کی تکلیف کا خیال کر کے اسی کٹے پھٹے حال میں بھیج دیتا ہوں،
دار المصنفین کے کاتب ماشاء اللہ ان سے زیادہ "جنیات" پڑھنے کے عادی ہوں گے،

پٹنہ کا تیر نشانہ پر بیٹھ کر پھر غلط ہو گیا، میاں نجم الہدیٰ نے پہلے تار تیار رہنے کا دیا،
پھر ۷ر اکتوبر کو طلبی کا دعوت نامہ آپ کے حوالہ سے آیا، لیکن اسی دن شام کو "دس پونڈ"
کا تار بھی مل گیا، "الیأس احد الراحتین" کے لطف سے لذت اندوز ہوا، مضمون کو پڑھنے کے
بعد ضرور مطلع فرمائیں کہ مجھے سب سے زیادہ اسی کا انتظار رہے گا، طویل تو ہو گیا ہے لیکن اس
میں میرے قصد کو دخل ہے، ورنہ "النبی الخاتم" کا مصنف اختصار پر بھی قادر ہے، بحمد اللہ
لیکن بیچ کی راہ سے محروم، کتاب میں بعض غلطیاں تھیں، جن میں غلط نامہ نے بعض کی تصحیح کر دی،
ایک جگہ حذف کے ساتھ "غلیل" کی حرمت کا جو دعویٰ آپ نے کیا ہے، سمجھ میں نہیں آیا،
"النصح" کا ترجمہ اخلاص سے فرمایا گیا ہے، لیکن میرے اساتذہ ہمیشہ "بہی خواہی" و "خیر اندیشی"
اس کا ترجمہ مجھے بتاتے رہے ہیں کہ لغوی معنی "سینا" سے زیادہ مطابق ہے، النصح للہ
ولرسولہ وللمومنین کا مطلب اور زیادہ دلچسپ تھا، میں نے ان باتوں سے تعرض نہیں
کیا، حسن و قبح کی بحث میں فٹ نوٹ میں معتزلہ کے نقطۂ نظر کی طرف ہلکا سا اشارہ ہے،
اور یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہی دو تین باتیں ایسی ہیں جن پر دل میں کھٹکا پیدا ہوا، ورنہ ان کے سوا میں نے

جو کچھ لکھا ہے، سخن سازی نہیں، بلکہ حقیقت طرازی ہے، جو دل میں تھا قلم پر آگیا ہے اور
کوئی نئی بات نہیں ہے، مولوی عبد الباری دل شکستہ تو پہلے ہی سے تھے، دست شکستہ
ہو کر اور ......

فقط

مناظر احسن گیلانی

۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء

حیدر آباد دکن، سیتا پھل منڈی

مضمون کو قصداً چند حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، بالکل ناپسند ہو تو صرف پہلا صفحہ کچھ پسند ہو
تو صرف بعضہ اور کل پسند ہو، تو کل، ناپسندیدہ حصہ کو واپس فرما دیجئے گا، آخر محنت صرف ہوئی ہے

۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۱ء
حیدر آباد دکن

سیدی المحترم - مدظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واللہ اعلم آجکل آپ کہاں ہیں، رمضان کا غالباً عشرہ رواں تھا، جب آپ کا ایک
سفارشی گرامی نامہ ملا تھا، چونکہ واقعات کا علم نہیں تھا، چاہا کہ تحقیق کے بعد آپ کو جواب دوں
ان دنوں بُعد مسافت اور پٹرول کے راشن کی وجہ سے آمد و رفت میں بڑی دشواری ہو گئی
اس لیے اس مسئلہ کی تحقیق میں تاخیر ہوئی ہے، جہاں تک میں نے متعدد ذرائع سے دریافت کیا
زنانہ کالج میں بالفعل کسی تقرر بعہدہ جائداد کا پتہ نہ چلا، اور نہ کوئی مجلس تقررات اس کے لیے
مقرر ہوئی ہے، جس کا فقیر رکن ہو، مولانا خلیل عرب صاحب کی صاحبزادی صاحبہ سے تعارف
گذشتہ سال ہی نواب محمد یار جنگ بہادر کے توسط سے حاصل ہو چکا ہے، دیر تک مجھ سے گفتگو
ہو چکی ہے، ان کے اسناد بھی میں نے دیکھے ہیں، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ہندستانی عورتوں میں

اس بچی کی جیسی قابلیت عربی و اسلامی علوم میں کسی دوسری عورت میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے،
ان کا خیال مجھے اسی زمانہ سے ہے، پھر آپ کے حکم کے بعد تو اور تقویت ہو گئی، بھوپال سے ڈاکٹر
عبد الرحمن ڈمرانوی نے بھی سفارش کی تھی، خود مولانا خلیل عرب کا گرامی نامہ بھی آیا تھا، انشاء اللہ
تعالیٰ میرے بس میں جو کچھ ہوگا کوئی دقیقہ ان کی اعانت کا اٹھا نہ رکھا جائے گا۔

رمضان ہی میں بعض مقامی اخباروں نے آپ کی آمد آمد کی خبر شائع کی، ہم لوگوں کو تعجب ہوا،
متعدد احباب خصوصاً امجد صاحب دریافت کرنے آئے لیکن بجز لاعلمی کے اور کیا جواب دے سکتا
تھا، واللہ اعلم کیا واقعہ ہے؟ مولانا عبد الباری بیچارے ان دنوں سخت بیمار ہیں، رخصت لیکر
گھر جانا چاہتے تھے، لیکن عین روانگی کے دن دورہ پڑا، گر گئے، نسبتاً اب اچھے ہیں، اگرچہ کالج نہیں
جا رہے ہیں، ہاں صاحب مشہور تو یہ ہو گیا کہ بالآخر آپ نے بھی ایک دیوبندی کے ہاتھ میں ہاتھ
دے ہی دیا، کیا یہ صحیح ہے، خدا کرے صحیح ہو، آپ کی عین وقت پر امداد سے شعبۂ دینیات بحمد اللہ
اس انقلابی طوفان سے بچ گیا، گو اس میں حیدری صاحب کی روانگی کو بھی دخل ہے، ہندوؤں
کی عصبیت اس بیچارے کو اس حرکت پر آمادہ کر رہی تھی، نواب مہدی یار جنگ بہادر سے
بڑی گفتگو ہو چکی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس خرخشہ کے ختم کر دینے کا انھوں نے تہیہ کیا ہے،
شیروانی صاحب نے بھی اس مسئلہ میں بڑی دلچسپی لی، جدید صدر اعظم بہادر نواب چھتاری سے آپ کے
تعلقات تو سنتے ہیں بہت وسیع ہیں، مجھ سے تو ملاقات بھی نہ تھی، اسی لیے ملا بھی نہ تھا، رمضانی دعوت
میں ایک دفعہ مدعو ہوا، آٹھ دس مہمان تھے، اس دن گفتگو کا موقع ملا تھا، لیکن برنی صاحب
نے سب کے حقوق تکلم غصب کر لیے پھر کوئی صورت اجتماع کی ایسی نہ ملی کہ کھل کر بات ہو،
آپ کا ذکر سیاسی کتاب کے سلسلہ میں آیا تھا، وہ کئی بار آپ کو "شاہ سلیمان صاحب" کے لفظ سے
یاد کر رہے تھے، غالباً ملاء اعلیٰ میں جس کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے، ملاء ادنیٰ پر اسی کی بجلی پڑتی ہے

لیکن جیسا کہ عرض کیا، برنی نے ساری گفتگو کرکری کردی، آجکل مولوی عبد القدیر بدایونی کا ان کے یہاں بہت زور ہے، ہرڈنر و دعوت میں سنا گیا ہے کہ مدعو ہوتے ہیں۔

ایک اور ضروری مسئلہ میں آپ کی اعانت کا محتاج ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ اسی طالب العلم نے جس نے طحاوی کا مقالہ لکھا تھا، اب ایم، اے میں کامیاب ہوجانے کے بعد چونکہ یہاں کے امیر مشائخ کے گھرانے کا لڑکا ہے، اس لیے نوکری سے بے پروا ہوکر پی، ایچ، ڈی کی تیاری میں لگ گیا ہو

"جنوبی ہند میں علم حدیث"

اس کے تحقیقاتی مقالہ کا عنوان ہے، نگرانی میری ہے، کئی دن سے چاہ رہا تھا کہ اس موضوع کے متوقعہ مواد کی نشاندہی میں آپ سے اعانت حاصل کروں یعنی چاہتا ہوں کہ (۱) آپ کے جو مضامین مختلف اوقات میں ہندوستان میں علم حدیث کے متعلق شائع ہوئے ہیں ان کا پتہ دیجئے، اپنے کسی شاگرد سے معارف کے ان پرچوں کو نکلوا کر میرے نام رجسٹری کرا دیجئے (۲) دوسری بات یہ ہے کہ خود ذرا فرصت سے چند سطروں میں اُن کتابوں کی نشاندہی فرمائیں جن سے اس لڑکے کو مدد مل سکتی ہے، معبر کی تاریخ، ابن بطوطہ، اخبار الاخیار، یاد ایام، دعوت اسلام سے بالفعل اجزاء کا انتخاب کر رہا ہے، جنوبی ہند میں اگر سی، پی اور گجرات کو بھی شامل کرلیا جائے تو اس میں کچھ حرج تو نہ ہوگا، عام طور پر پرانی کتابوں میں سورت، بمبئی، احمد آباد کو جنوبی ہند ہی میں خیال کرتے تھے، اسی طرح مانڈو، برہانپور کی اسلامی ریاستیں بھی جنوبی ہند ہی کی ریاستیں غالباً سمجھی جاتی ہیں،

"رحمت عالم" کے نسخوں کا انجام؟ میرا عجیب حال ہے، یوں تو حیدر آباد کی پبلک جس قدر مجھ سے دلچسپی رکھتی تھی وہ بہت کچھ زبان بندی کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے، لیکن سکندر آباد میں ہر ہفتہ خطبہ مع الترجمہ ہوتا ہے، عید کی نماز بھی میں ہی پڑھاتا ہوں، اس سال بھی تقریباً آٹھ نو ہزار کا مجمع تھا، لیکن وادرستہ میں بیس نسخے رحمت عالم کا بیچنا گویا کندن بن گیا، سکندر آباد میں

"نوجوانان سکندر آباد" کی ایک مشہور جمعیت ہے جو آپ سے بھی خط و کتابت و عقیدت رکھتی ہے، اس کے سکریٹری کے حوالہ آج سے آٹھ دس مہینہ پہلے کیا تھا، ہر ہفتہ تقاضا کرتا ہوں مختلف جوابات پارہا ہوں، غالب قرینہ ہے کہ جس طرح دوسری انجمن والوں کا جو پیشہ ہے، اسی عام پیشہ کے تحت ان سعادت مند نوجوانوں نے مجھ بڈھے احمق کو احمق بنایا، اب دس پندرہ دن اور انتظار کرکے ان کی نوجوانی پر آنسو بہاتے ہوئے ندوہ اس رقم کو خود ہی بھیج دوں گا، کمال یہ ہوگا کہ میرے پاس اس کا ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا، خیر قوم کے ان عاشقوں سے یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہوا ہے، مستکبرین ہوں یا مستضعفین اب تک برائے اکل کے سوا ان انجمنی و قومیاتی تسکوں کا اور کوئی نتیجہ نظر نہ آیا، ان لیصمد و لما یعبدون۔

جب آپ اپنے حدیث کے مضامین کے پرچے معارف کے تلاش کرائیں تو اسی کے ساتھ اگر ممکن ہو تو معارف میں خاکسار نے مولانا برکات احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو مضمون لکھا تھا، اور آپ کی سیرت والے مضمون کے پرچوں کو بھی چھنوا لیجئے، ان ہی پرچوں کے ساتھ ان پرچوں کو بھی ویلیو کرا دیجئے ہاں مرتضیٰ زبیدی پر بھی شاید معارف ہی میں کچھ لکھا تھا، اور دادا مرحوم کی ایک کتاب کے متعلق بھی معارف میں خاکسار کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، میں چاہتا ہوں کہ ان سب کو منگوا کر ایک جلد میں جمع کرا دوں، میرے سارے مضامین بکھرے ہوئے، کسی کا ایک ورق بھی موجود نہیں، اور موجود رہنے کے لیے وہ ہیں بھی نہیں، "فیذہب جفاء"

مناظر احسن گیلانی

۲۵ر اپریل ۱۹۴۲ء

سیدی الامام دمتم فی ظل اللہ الملک المقام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قسمت کے تہی دستوں کے لیے رہبران کامل کی راہنمائیاں پہلی دفعہ لاسود ثابت نہیں ہوتیں،

آپ نے چاہا تھا کہ بھوپال مجھے بلائیں، میں نے بھی حاضری کا ارادہ کر لیا تھا، مارچ سے گفتگو ہو رہی تھی، لیکن مارچ والی تاریخ حکومت نے ٹال دی، اپریل کا مہینہ مقرر ہوا، حیدرآباد میں منتظر رہا کہ اب مراسلہ ملے گا، یہ یک کرشمہ دو کار ہو گا، لیکن نہ کام ہی نکل سکا، نہ کرشمہ ہی کا ظہور ہوا، جب نربدا کو عبور کر کے میں گنگا کے کنارے پٹنہ میں پڑا تھا، تب حکومت بھوپال کا تار پٹنے کا ملا، ۱۰ تاریخ اپریل کی میرے لڑکے عزیزی محی الدین سلمہٗ کی برات کی رخصتی کی تاریخ تھی، اب تک شادی کے متعلق ایک تنکا بھی خریدا نہ گیا تھا، پٹنہ سیدھے حیدرآباد سے اسی لیے اترا تھا، مکارم سلمہٗ گیلانی سے آگئے تھے، میں خریداری میں مشغول ہو چکا تھا، مشغولیت نہ ہوتی تو جیسے میرا سارا کام مکارم سلمہٗ کے اختیار و تمیزی کے سپرد ہے، یہ کام بھی وہی کر لیتے لیکن اب بہت سی چیزوں سے میری ذاتی دلچسپی بھی پیدا ہو چکی تھی، کسی کی رائے نہ ہوئی کہ ایسی حالت میں پھر جنوبی ہند پلٹ جاؤں، وہی تار دیدیا جو آپ کے سامنے پہنچا ہو گا، بھوپال میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اور نہ وہاں کے لوگوں سے میرا کوئی تعلق تھا، اس دفعہ ایک اچھی صورت آپ کے ذریعہ سے نکل آئی تھی، لیکن مشیت الٰہی غالب آئی، بہر حال آپ کی کرمفرمائیوں کا شکر تو ہر گردن پر واجب، مجھے نفع نہ پہنچا اس کا الزام خود مجھ پر عائد ہوتا ہے، اس کے پوچھنے کی تو ضرورت نہیں کہ غالب خستہ کے بغیر کام ظاہر کیسے رک سکتا ہے،

معلوم نہیں اب کی موسم گرما حسب دستور دسنہ تشریف آوری ہوگی یا نہ ہوگی، اور ہوگی تو کب ہوگی ہمارے یہاں کی تقریب بجائے ۱۰ اپریل کے بعض دوسری تقریبوں کی وجہ سے اب ۱۸ر مئی مقرر ہوئی ہے، میں اپنی قسمت میں کاش اس بلندی کو محسوس کرتا کہ آپ کی شرکت کا امکان اس تقریب میں کسی طریقہ سے پیدا ہو جاتا، لیکن بلندی ہو یا پستی قسمت کے دونوں پہلو خود صاحب قسمت کے لیے مجہول ہیں.

بحمد اللہ علم کی دولت کے ساتھ معرفت و عمل کی نعمت بھی آخر میں آپ کے لیے مقدر تھی، آستانۂ تھانہ بھون کی حاضری کا حال مولانا عبدالباری صاحب سے معلوم ہوتا رہتا تھا. هنیئاً لکم ثم هنیئاً لکم. الصادقین کی معیت آپ کو مبارک ہو، انعمت علیہم کے صراط کی ہدایت اہل ہدایت ہے، غضب اور ضلالت سے نجات کی واحد راہ بھی ہے. "حسن اولٰئک رفیقا" کی سند کے ساتھ "الرفیق الاعلیٰ" کی مجلس انس کی شرکت ہر قسم کی مجلسوں سے گذرنے کے بعد انشاء اللہ رسوخ تام کی بشارت و ضمانت کی حامل ہے،

عجب راہ نہ یہاں محاسدہ ہے، نہ مباغضہ، نہ منافسہ، نہ مقابلہ، بلکہ ہر ایک دوسرے کے لیے داعی، گو مدت ہوئی اس راہ سے دور ہو چکا ہوں، لیکن اب تک وہ حلاوتیں دل ناکام کو یاد ہیں، جو کسی زمانہ میں میسر آئی تھیں، آپ لوگوں کی انقلابی زندگی خیر کی طلب اور میرا انقلاب شر کی طرف باعث عبرت ہے، مولانا عبدالباری تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ غالباً تھانہ بھون روانہ ہو چکے ہوں گے، وہ خانقاہ امدادیہ میں براج رہے ہیں، اور میں گیلانی میں ہماری شادیوں کی ظلمتوں میں مبتلا ہوں، بظاہر زندگی کے آخری دنوں میں ان مکروہ مشاغل کے ساتھ ابتلاء میرے لیے سخت ابتلاء ہے، کہ العبرة بالخواتیم' ہو سکتا ہے، آپ جیسے "الصالحین" کی محبت و عقیدت میرے حسن عاقبت کی وجہ بن جائے۔ فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی.

آخر میں پھر اسی تمنائے شرکت تقریب کا اظہار کر کے اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں، خدا کرے دسنہ آنے کا پروگرام ۱۸ر مئی سے پہلے ہو، ورنہ اعظم گڈھ سے ظاہر ہے کہ اس کی توقع کیا ہو سکتی ہے.

۳ر فروری ۱۹۳۳ء

جوار الجامعۃ العثمانیہ

سیدی الامام   بشریٰ لکم وطوبیٰ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایں تالب فرسودہ گرازکوی تو دور ست

القلب علی بابك لیلاً ونهاراً

کچھ عجب حال ہے، جب آپ کی زیارت موجب اجر و ثواب بنی تو جسے ثواب واجر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہی اس سعادت سے محروم ہے، آپ کہاں سے کہاں پہنچ اور پہنچائے گئے اور ہم جرسِ کارواں کی صرف آواز ہی سنتے رہے۔ مولانا عبدالباری صاحب سے والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا کی جو تفسیر آپ کے ساتھ ہو رہی ہے، اس کی خبریں سنتا رہتا ہوں، کتنی مسرتیں ان خبروں میں اپنے لیے پاتا ہوں، آپ کو اس کا شاید اندازہ کیا ہو۔ خبر ملی تھی کہ آستانۂ حکیم الامۃ مدظلہ العالی سے سند خلافت بھی حاصل ہو چکی ہے، معارف کے شذرات میں جو کچھ جس قلم سے شائع ہوا ہے، اب اس کی عبدیت اور بندگی میں کون شک کرسکتا ہے، بندے نے بندے کے بندے ہونے کی توثیق کی۔ میرے نزدیک تو خلافت کا حاصل ترجمہ یہی ہے، جب سب کچھ نگاہوں سے ہٹ جائے اور

از خدا خواہم دوز غیر نخواہم بخدا

کہ نیم بندۂ غیر ونہ خدائے دگرست

اسی ایک حقیقت واقعیہ کا تحقق نام بس سب کچھ صرف یہی ہے۔ ایاك نعبد وایاك نستعین کے مقام پر سرفرازی نصیب ہوئی۔ انشاء اللہ فردوس میں اس کے نزل کی تیاری ہے۔ ایسی مہمان نوازی کہ لایبغون عنها حولا، اس لیے کہ لوکان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر الآیۃ

طلب لامحدود کے لیے مطلوب کو بھی لامحدود ہی ہونا چاہیے، بلکہ مطلوب کی لامحدودیت ہی نے تو اس طلب کو پیدا کیا جس کی "لوعیت" کسی نقطہ پر ختم نہیں ہوتی کسی راہ میں ہو، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنی فطرت کے اس جذبہ کو اسی راہ پر لگا دیا، جس کے لیے پیدا کرنے والے نے اسے پیدا کیا تھا، کہ آدمی نے اس لوعیت کو خود نہیں پیدا کیا، ورنہ مخلوق ہے کے فاعل کا مجہول کیوں رکھا جاتا،

دیکھئے قدم بوسی کی تمنا کب پوری ہوتی ہے، دسنہ حاضر ہوا تھا، مکین سے ملاقات نہ ہوسکی، لیکن مکان کے چاروں طرف پروفیسر سعید رضا صاحب اور ان کے بھائی حفیظ صاحب کی معیت میں گھوم آیا، کمرے بند تھے، طواف سے زیادہ موقع نہ مل سکا۔ ایک برات میں گیا تھا۔ اور حالات کیا عرض کروں ؎

ہمیں نازے ماند مسکین حسن را

ازاں روزے بترسم کہ ایں ہم نماند

واللہ اعلم، نسل انسانی کی دیوار کس کروٹ گرنے والی ہے، خیر ہم تو بہت جی چکے۔ اتنا کہ حساب سے عہدہ برآ ہونا صرف فضل ہی پر محول ہے۔ اب تو سامنے زیادہ یہی حال رہتا ہے،

عنقریب ست کہ از ما اثرے باقی نیست

شیشہ بشکستہ، مے ریختہ وساقی نیست

اس وقت مولانا عبدالباری صاحب کے مشورے سے یہ عریضہ خدمتِ والا میں روانہ کررہا ہوں، مولانا عبدالحئی مرحوم کی "کتاب الہند" کا حال آپ سے زیادہ دوسرا کون جانتا ہے خیال یہ آیا ہے کہ مجلس تصنیف وتالیف کی زیر نگرانی مولانا محمود حسن ٹونکی کی معجم المصنفین کی ترتیب وتدوین کا جو کام تھا وہ ختم ہوچکا ہے، اس میں گنجائش کافی ہے، نواب مہدی یار جنگ بہادر

کی خدمت میں ایک "محضر" پیش کیا جائے، جس کا مسودہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، مقصد یہ ہے کہ آپ چند توثیقی کلمات ثبت فرماکر اسے نواب صدر یار جنگ بہادر کے پاس علی گڑھ بھیجدیں، نواب حبیب کو میں بھی لکھ رہا ہوں، آپ بھی لکھیے، کہ وہ بھی اس پر دستخط فرمائیں، یہ مناسب نہ ہو تو الگ ایک خط نواب مہدی یار جنگ کو اس سلسلہ میں لکھیں، اس کے بعد حیدرآباد کے چند ممتاز دستخطوں کے بعد ارادہ ہے کہ نواب صاحب کی خدمت میں ہم لوگ لیجاکر پیش کریں، بڑی علمی خدمت انجام پاجائے گی، اگر حکومت آصفیہ کی طرف سے اس کی اشاعت کا نظم ہو جائے۔ فقط

نیازمند

مناظر احسن گیلانی

مولوی عبد الباری صاحب سلام فرماتے ہیں۔

مکاتیب شبلی

حصہ اول و دوم

مولانا مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولانا کے قومی خیالات، اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے۔ حصہ دوم قیمت للعہ/

اول قیمت ؏۳/

ادبیات

قرطبہ سے ویلنشیا تک

از جناب جگناتھ صاحب آزاد

جگناتھ صاحب کی طبیعت میں مسلمانوں کا کلچر اتنا رچا اور بسا ہوا ہے کہ انکی شاعری سے بھی وقتاً فوقتاً اس کی تراوش ہوتی رہتی ہے، اور ان کی متعدد نظمیں مسلمانوں کے جذبات وخیالات کا نمونہ ہیں، یہ نظم بھی اسی قبیل کی ہے، ابھی وہ یورپ گئے تھے، اس سفر میں انھوں نے اپنی جذبات کے ماتحت اسلامی تہذیب کے قدیم تاریخی مدفن اندلس مرحوم کو بھی نگاہ عبرت سے دیکھا، یہ نظم اسی تاثر کا نتیجہ ہے۔ م

اندلس کی سرزمیں! تماشائے رنگ و بو — کل تو مرے خیال میں تھی آج روبرو

پوشیدہ خاک میں تو فضا میں نہاں کہیں — تیرا جمال پردہ بہ پردہ ہے، تو بہ تو

ہسپانیہ ہے آج اگر سرزمینِ گل
اس سرزمینِ گل کا گلِ سرسبد ہے تو

آخر یہ کیا طلب ہو کہ دل میں لیے ہوئے — میں پھر رہا ہوں شہر بہ شہر اور کو بہ کو

میری نگاہ میں حرمِ قرطبہ ہے آج — کل تھے مری نظر میں طلیطلہ[1] کے کاخ و کو

راہِ وفا میں کون کسی کا رفیق ہے
ہمراہِ دل ہے آج فقط دل کی آرزو

---

[1] آج اس شہر کو ٹولیڈو (Toledo) کہتے ہیں، مسلمانوں کے دور حکومت میں یہ شہر اسپین کا دار الحکومت تھا۔

کیوں ہیں خموش قصرِ سلاطیں[1] کے بام و در — اے دل کہاں یہ لے کے مجھے آگیا ہے تو

اک شیعِ ادب کا یہاں[2] کیا پتہ چلے — آساں نہیں یہاں تو خود اپنی ہی جستجو

سنسان میکدوں میں مری تشنگی کی خیر

اب وہ شراب ہے نہ وہ ساقی نہ وہ سبو

مسجد[3] کے زیرِ سایہ خرابات دیکھ کر — مانا کہ سرد ہو ہی گئی شمعِ آرزو

تیرے جہاں میں آکے مگر لے ویلنشیا[4] — جیسے کہ جم گیا ہو رگوں میں مری لہو

رقصاں بشر کی روح جہاں تھی، وہاں ہے آج

رقصاں فقط برہنگیِ جسم چار سو

رفتارِ وقت! دیکھ رہا ہوں ترا طلسم — طوفاں سمٹ کے آج فقط رہ گیا ہے جُو

ڈھونڈھے سے بھی نہ اسکا مجھے مل سکا سراغ — تہذیب[5] وہ کہ جو تھی زمانے کی آبرو

میخانۂ حیات کا عالم کہوں تو کیا

رند آج کم طلب ہیں تو ساقی تہی کدہ

---

[1] اشارہ ہے غرناطہ کے شاہی محلات کی جانب "الحمرا" کا نام تو آج ساری دنیا میں مشہور ہے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی محل ایسے ہیں جو آج بالکل گمنام ہیں اور آٹھ صدیاں پہلے کی عظمت کا بخوبی پتہ دے رہے ہیں [2] [illegible] غرناطہ سے کوئی تین سو میل مشرق میں ساحل بحر سے قریب ایک بارونق شہر ہے یہ شہر شیخ محی الدین ابن عربی کا مولد ہے لیکن اس وقت وہاں کوئی ایسی یادگار نہیں جو اس تاریخی مقام کی نشاندہی کر سکے [3] میں نہیں کہہ سکتا کہ جب علامہ اقبال نے مسجد کی زیارت کی تھی، تو کیا صورت حال تھی لیکن میں جب وہاں پہنچا تو مسجد کے سامنے بھی ایک میخانہ تھا اور پشت پر بھی [4] اسپین کے دو شہروں میں سے ایک شہر جہاں کی عورتوں کا رقص یورپ بھر میں مشہور ہے، دوسرا شہر بارسلونا ہے جو ویلنشیا سے ارسیلز آتے ہوئے، راستہ میں ملتا ہے [5] یعنی اسپین کی اسلامی تہذیب،

غزل

از

جناب حبیب احمد صاحب صدیقی

شکستِ سوختہ جانوں کو راس آئی ہے — ہر ایک بات میں عذرِ شکستہ پائی ہے

کبھی حدیثِ وفا جو زباں پہ آئی ہے — تو دوستوں نے ہمیشہ نظر چرائی ہے

کسی کی یاد کبھی اس طرح بھی آئی ہے — کہ جیسے بادِ بہاری پیام لائی ہے

اذیت اس سے بڑی اور کوئی کیا ہوگی — دلِ غیور ہے اور شرمِ نارسائی ہے

انھیں سنائی تو ہے اپنی داستاں ہم نے — ملا کے غیرتِ دل خاک میں سنائی ہے

بیاں جو وصف کیے دوستی کے سب تسلیم — یہ پوچھتے ہیں کبھی تم نے آزمائی ہے

کسے خبر ہے گذرتی ہے اس پہ کیا جس نے — خیال و خواب کی دنیا الگ بنائی ہے

غلط ہے شکوۂ بے التفاتیِ احباب — حجاب اصل میں اپنی ہی بے نوائی ہے

خرد سے مسلکِ تخریب سیکھنے والو — کبھی کبھی تو محبت بھی کام آئی ہے

ہزار حیف کہ وہ بھی ہیں تنگ دل جنکی — نظر میں وسعتِ کون و مکاں سمائی ہے

جلی ہے پہلے بھی بجھ بجھ کے اپنی شمعِ امید — نہیں ہے غم جو زمانے نے پھر بجھائی ہے

متاعِ زیست گنوانے کا غم نہیں زیبا

فراخ حوصلگی سے اگر گنوائی ہے

غزل

از جناب محمد حنیف خاں صاحب

دل حزیں سوئے مدعا کی سبیل کوئی بہم نہیں ہے
زباں بھی قاصر تو غم نہیں تھا نگاہ میں بھی تو دم نہیں ہے

ابھی ہیں کتنے ہی ایسے جلوے جو ہیں نگاہِ خرد سے مخفی
ابھی ہیں کتنی ہی شاہراہیں جہاں نشانِ قدم نہیں ہے

جہاں تجلیٔ حسن ہوگی نقوشِ سجدہ وہیں ملیں گے
جبین کا ذوقِ فتادگی کچھ اسیرِ دیر و حرم نہیں ہے

غم و مسرت کا ربط باہم یہ رازِ فطرت بتا رہا ہے
جو دل نہ لذت کشِ ستم ہو وہ مستحقِ کرم نہیں ہے

دل حقیقت شناس ہی کچھ یہ رازِ ہستی سمجھ سکے گا
سکونِ منزل کی جستجو کچھ سکونِ منزل سے کم نہیں ہے

غلط کہ اغیار کو تمھاری عنایتوں کا شرف ہو حاصل
اگر یہ ہو بھی تو کوئی شکوہ مجھے خدا کی قسم نہیں ہے

اگر ہے ذوقِ طلب میسر تو ذرہ ذرہ ہے طورِ ساماں
نظر میں وسعت اگر ہے پیدا کہاں بہارِ ارم نہیں ہے

مطبوعات جدیدہ

مضامین سلیم، تین جلدیں از مولوی سید وحید الدین سلیم مرحوم، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ہر جلد بالترتیب ۲۲۴، ۲۱۴، ۲۰۸، قیمت بالترتیب للعہ، للعہ، للعہ، پتہ:- کل پاکستان انجمن ترقی اردو، روڈ کراچی

مولوی وحید الدین سلیم مرحوم ان اصحاب علم میں تھے جن کی علمی و ادبی اور لسانی خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی، انھوں نے مختلف النوع مسائل و مباحث پر سینکڑوں مضامین لکھے، انکا ایک مجموعہ عرصہ ہوا "افاداتِ سلیم" کے نام سے چھپ چکا ہے، لیکن وہ بہت ناقص تھا، اس لیے ان کے ہم وطن شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے جو خود بھی صاحب ذوق اہل قلم ہیں، اور اس سے پہلے وحید الدین مرحوم کی نظموں کا مجموعہ "افکار سلیم" مرتب کر چکے ہیں، اب ان کے مرحوم، رسالہ "معارف" اور "مسلم گزٹ" وغیرہ سے ان کے تمام مضامین تلاش کر کے ان کا مکمل مجموعہ شائع کیا ہے، یہ مجموعہ تین جلدوں میں ہے، ان کے مضامین کی مجموعی تعداد ۵۶ ہے، ان میں علمی، ادبی، تنقیدی، لسانی، تاریخی، سیاسی اور اخلاقی ہر نوع کے مختصر اور طویل، مفید اور محققانہ مضامین ہیں، تیسری جلد کے مضامین نسبۃً مختصر اور بعض عربی اخبارات و رسائل سے ماخوذ ہیں، شروع میں مولوی وحید الدین مرحوم پر بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کا ایک مضمون ہے جو انھوں نے مرحوم کی وفات کے بعد لکھا تھا، اس سے ان کے حالات و خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے، یہ مجموعہ ہر

صاحب ذوق کے پڑھنے کے لائق ہے، انجمن ترقی اردو پاکستان نے اسے شائع کرکے ایک مفید علمی ادبی خدمت انجام دی ہے،

قاموس القرآن ۔ مرتبہ مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی، تقطیع خورد صفحات ۵۰۰ مجلد مع گرد پوش، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ غیر مجلد سے مرتبہ: مکتبہ علمیہ، دفتر الحرم، قاضی منزل، قاضی واڑہ میرٹھ۔

یہ مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی کی مشہور کتاب "قاموس القرآن" کا دوسرا اڈیشن ہے، اس کے پہلے اڈیشن پر معارف میں مفصل ریویو ہو چکا ہے، اس نئے اڈیشن میں مصنف کو نظر ثانی اور اضافہ کا موقع نہیں مل سکا لیکن اس کی ظاہری نفاست و طباعت پہلے اڈیشن سے بہتر ہے، یہ لغت کلام مجید کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ بہت مفید اور کارآمد ہے،

عقد الجید ۔ ترجمہ مولانا ساجد الرحمن صاحب صدیقی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۰۲ مع رنگین گرد پوش، قیمت عہ، پتہ: محمد سعید اینڈ سنز۔ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور رسالہ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید کا اردو ترجمہ سلک مروارید کے نام سے مدتوں پہلے ہو چکا تھا، لیکن اس کی زبان قدیم تھی اس لیے اردو خواں اصحاب کی سہولت کے لیے یہ نیا ترجمہ مع اصل کتاب کے صاف اور سلیس زبان میں شائع کیا گیا ہے، دو چار مقامات پر مختصر حاشیے بھی ہیں، ایسے حاشیوں کی اور بھی ضرورت تھی، اس سے اردو دانوں کے لیے کتاب کے مطالعہ میں اور بھی سہولت پیدا ہو جاتی۔

اشک و تبسم ۔ از جناب موج رام پوری، تقطیع خورد، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر،

صفحات ۱۴۸ مجلد مع گرد پوش قیمت سے مرتبہ دبستان پبلشر اینڈ بک اسٹور رام پور اسٹیٹ۔

یہ ایک جواں سال اور خوشگو شاعر جناب سنتوش کمار سکسینہ موج رام پوری کی غزلوں، نظموں اور قطعات کا مجموعہ ہے، ان کی زندگی حوادثِ روزگار کا شکار رہی ہے، اس لیے ان کے کلام میں جذباتِ غم کی شدت ہے، شاعر کا دل ملک و قوم کے درد و محبت سے بھی آشنا ہے، اس لیے آزادی کے بعد کی ملک کی اخلاقی پستی، غریبوں کی بیکسی اور فسادات کی تباہی و بربادی پر انھوں نے اشکباری کی ہے، اس مجموعہ میں چند نعتیں بھی ہیں، وہ ایک کایستھ خاندان کے چشم و چراغ ہیں، اور رامپور ان کا وطن ہے، اس لیے ان میں اردو زبان و ادب کا ستھرا ذوق ہے، جو ان کے کلام میں پوری طرح نمایاں ہے، لیکن ابھی نوجوان ہیں، اور ان کے مشقِ سخن کی عمر بھی زیادہ نہیں، اس لیے کلام میں پختگی کی کمی ہے جو مشق و مہارت سے جاتی رہے گی،

اسلامی پیغام کے اولین علمبردار ۔ مترجم جناب محمد اسلم صاحب سیف فیروز پوری، صفحات ۴۰، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ: مکتبہ سعدیہ، فیض آباد براستہ تمبہ ضلع ملتان۔

یہ رسالہ مشہور مصری عالم محب الدین خطیب کے ایک عربی مقالہ کا ترجمہ ہے، جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور فارسی تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" کی عربی "تلخیص" "المنحۃ الالٰہیہ" کے آخر میں شائع ہوا ہے، فاضل مقالہ نگار نے اس میں صحابہ کرام کو واقعات سے "رحماء بینھم" کا نمونہ ثابت کیا ہے، اور ان کے باہمی اخلاص وارتباط خصوصاً خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؓ کے مابین خوشگوار اور پاکیزہ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے مشاجراتِ صحابہ کی حقیقت اور ان اسباب و محرکات کی نشاندہی کی ہے جنھوں نے صحابہ کے اختلافات کو غلط اور بدنما رنگ دیدیا ہے، مقالہ اپنے موضوع پر جامع اور ترجمہ بھی غنیمت ہے،

انتخاب اردو اور اردو کا نصاب - شائع کردہ دی یونیورسٹی آف بمبئی، کاغذ اچھا ٹائپ، قیمت فی جلد ۳ر

اردو نظم و نثر کا یہ انتخاب اور نصاب بمبئی یونیورسٹی کی طرف سے انٹرمیجیٹ کے آرٹس، سائنس اور کامرس کے طالب علموں کے لیے مرتب کیا گیا ہے، حصۂ نظم میں غزلیں، نظمیں، قطعات، رباعیات قصائد اور مراثی تمام اصناف سخن کا انتخاب ہے، انتخاب کا تعلق زیادہ تر ذوق سے ہے، اس لیے ضروری نہیں کہ ایک انتخاب ہر حیثیت سے مکمل کہا جا سکے، لیکن یہ انتخاب خوش مذاقی اور سلیقہ سے کیا گیا ہے، اور مجموعی حیثیت سے اچھا ہے۔

خدا ہے - از جناب مولوی سید حامد علی صاحب تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی صفحات ۴۰ قیمت ۳۰ نئے پیسے، پتہ ادارہ شہادت حق (وقف) بریلی (یو، پی)

اس مختصر رسالہ میں علمی و عقلی دلائل سے خدا کے وجود کو ثابت کیا گیا ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ خدا کے انکار کے بعد کائنات کی کوئی توجیہ ہی نہیں ہو سکتی، اسی موضوع پر اور جو مضامین اور رسالے لکھے گئے ہیں، ان سب میں یہ رسالہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اور اس قابل ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء میں اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کیجائے،

الجامعۃ الاسلامیہ - از جناب ہلال عثمانی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۲ قیمت تحریر نہیں، ناشر کتب خانہ محمودیہ، دیوبند (یو پی)

اس رسالہ میں ہلال عثمانی صاحب نے جو دار العلوم دیوبند کی جانب سے مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، مدینہ یونیورسٹی کا اجمالی تعارف کرایا ہے، یہ یونیورسٹی ابھی نئی ہے اس لیے اس کے حالات سے عام طور سے ناواقفیت ہے، اس لحاظ سے یہ رسالہ مفید ہے،

"ض"

جلد ۹۱ - ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۶۳ء - عدد ۳

مضامین